

# جاسوی دنیا نمبر 16

لہقائیں

اللہ تعالیٰ کو جس ای - انہیں ملے گئے اور اس کو لے لے گئے  
کہ جن ہن لگائے گئے اور اس کا پتہ، اس کی تاریخ  
لے لیجئے گے۔ اس کے لئے اپنے بھائیوں کو  
پابندی کے میں ملے گئے اور اس کے لئے اپنے  
میانہ دشمنوں کے پیارے اور اپنے دشمنوں  
کے فریاد "میکھا رہی" "ماچ بالہ" ایسا گھر  
جے اپنے دشمنوں کے لئے اس کا ایسا گھر جو اپنے دشمنوں  
کے "لیکھنے والوں" کا گھر، ایسا گھر جو اپنے دشمنوں  
کے طلاقیوں کے پیارے، اس کے لامبیں دشمنوں کی  
والیوں کے گھر (جسیں) اس کے لامبے دشمنوں  
کے گھر بھی بھیک کے لامبے گھر۔

(مکمل تاوول)

## پیش لفظ

انور سیرین کا چوتھا ناول پیش کر رہا ہوں۔ یہ اس سیرین کا چوتھا اور آخری معمولی شمارہ ہے۔ پانچواں ناول اس سیرین کا خاص نمبر ہو گا جس میں انور اور رشیدہ کے ساتھ انپکٹر فریدی اور سرجنت حمید بھی ہوں گے۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ انور اور رشیدہ کے بارہ ناول پیش کروں گا لیکن اتفاق سے میرے پڑھنے والوں میں دو گروہ ہو گئے ایک کا مطالبہ ہے کہ ”فریدی اور حمید“ سیرین پھر سے شروع کیا جائے اور دوسرا انور سیرین کو بھی پسند کر رہا ہے۔ بہر حال تعداد انہی لوگوں کی زیادہ ہے جو ”جاسوسی دنیا“ میں صرف فریدی اور حمید کے کارناے دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ شمارے (خاص نمبر) سے پھر فریدی اور حمید کے کارناے شروع کر دوں۔

پیش نظر ناول ”خونی پھر“ میں ایک حریت انگلیز داستان ہے جو ایک سیاہ رنگ کے بیش قیمت پھر کی چوری سے شروع ہوتی ہے اور ایک بھی انک موڑ پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ جو ان سال

پرائیوریت جاسوس انور اس ناول کے شروع میں ہی ایک بھی انک  
جال میں پھنس جاتا ہے۔ کیا وہ درحقیقت جال تھا؟ پروفیسر  
تیموری کو کس نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک قتل اور کیا رابعہ  
قاتل تھی؟ پروفیسر تیموری کے سکریٹری کو بھی آپ قاتل سمجھیں  
گے، گلوریا بھی آپ کو قاتل ہی معلوم ہوگی اور سرفیضر احمد تو  
سو فصلی قاتل تھا۔ اس ناول کا ہر کردار آپ کو قاتل معلوم ہوتا  
ہے۔ لیکن حقیقتاً قاتل کون تھا؟ یہ معلوم کر کے آپ انگشت  
بدندال رہ جائیں گے اور قتل کا مقصد؟ وہ بھی قاتل ہی کی طرح  
حیرت انگیز ثابت ہوگا، ”انور اور رشیدہ“ کی دلچسپ نوک جھونک۔  
سرکاری جاسوس انپکٹر آصف سے جھوڑ پیس۔ اس کے علاوہ اور بھی  
تیموری دلچسپیاں۔

## ابن صفحہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْحُكْمُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
إِنَّا نَحْنُ مُنَذِّرُونَ  
وَإِنَّا هُنَّ عَلَىٰ هُدًىٰ وَأَنَّا نَهْدِي النَّاسَ  
إِنَّا هُنَّ عَلَىٰ هُدًىٰ وَأَنَّا نَهْدِي النَّاسَ  
إِنَّمَا يُنَزَّلُ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا لِّلنَّاسِ  
وَمَا هُنَّ بِشَفِيعَاتٍ لِّأَهْلِنَّاسِ

## پھر کی واپسی

انور ایک گھنٹا سے ہوٹل میں بیٹھا سگھت کے ہلکے ہلکے کوشش لے رہا تھا۔ اسے جہت ہو رہی تھی کہ آخر اسے مدعو کرنے والی نے اس نام معمول ہوٹل کو کیوں منتخب کیا۔ اسے درمیانی درجے کا ہوٹل بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ویسے اس کے مالک نے کوشش تو بھی کی تھی کہ اسے درمیانے یا اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں کی نقل بنا دے اور شاید ایسا ہو بھی سکتا تھا مگر ملازمین یا منتظم کی پیدائش لا پرواہی اور بد سلیقگی نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ یہاں متعدد کیبین ضرور تھے لیکن ان کے پردے یا تو بوسیدہ تھے یا گندے۔ تحری پانی وڈ کے پاریشوں پر جگہ جگہ ہندے س لکھ کر جوزے گئے تھے کہیں کہیں پان کھانے والوں کی کھتے اور چونے بھری الگیوں کے نشانات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ دیواروں پر ہر سوں پرانی تصویریں تھیں۔ جن پر نہ جانے کب سے گرد کی جہیں جتی چلی آ رہی تھیں۔ ان تصویریوں کے درمیان کچھ طفرے بھی تھے جہاں کہیں ان سے چکچی گئی تھی دہاں گا کہوں کے لئے ضروری ہدایات لکھ کر چپکا دی گئی تھیں۔ کچھ تحریریں قطعی غیر متعلق تھیں جنہیں انور بالترتیب پڑھ پڑھ کر الجھ رہا تھا۔

ان کی ترتیب کچھ اس قسم کی تھی۔

”براہ مہربانی فرش پر مت تھوکئے۔“

”واپس ملی ہوئی رقوم کی اچھی طرح جانچ کر لجئے۔“

”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

”ملازمین سے جھکڑا کرنے کے بجائے اپنی شکایات کا انکھاڑا مثمر سے کچھے۔“

”شہنشاہ ایران زندہ باد۔“

”عسل خان اندر ہے۔“

”لپسر مِنَ اللَّهِ فَحْ قَرِيبٌ“

”سورہ پے کے نوٹ کی ریز گاری نہیں ملے گی۔“

”طلب کی ہوئی اشیاء، اپس نہیں لی جاتیں۔“

”اسلام زندہ باد۔“

”سیاہ گنگلو سے پرہیز کجھے۔“

”قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا وعدہ حاصل ہے۔“

”بیشل سیوگ سرشقیث خریدیے۔“

”پیٹ کے امراض کا واحد علاج چوران اثار دانت۔“

انور ان سب کو تیرہ چودہ بار دھرا چکا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ قبل وہ یہاں پہنچا تھا اور اب انتظار کی معینہ حدت میں صرف دس منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ وہ یہاں کچھ عجیب و غریب حالات کے تحت آیا تھا۔ آج آفس میں اسے کسی گم نام عورت کا خط ملا تھا جس میں اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ مذکورہ ہوٹل میں ایک نج کر پھیس منٹ تک اس کا انتظار کرے۔ اسے کسی بہت سی اہم محاالے میں انور کی مدد درکار تھی۔ اس نے خط میں اس کی بنگی لکھ دیا تھا جس میں ان دونوں کو ملننا تھا۔

انور کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ اسے ایسے ہوٹل میں کسی نے مدعو کیا تھا۔ اس سے عموماً وہی لوگ مدد لیا کرتے تھے جو کسی وجہ سے ملکہ پولیس سے رابط قائم کرنے میں چکپا تے تھے اور ایسے لوگ ابھی تک سو فصدی دولت مند ہی ثابت ہوئے تھے ظاہر ہے کہ کسی پرائیویٹ جاسوس کے اخراجات کا بار عام آدمی نہیں اٹھا سکتا۔ لہذا انور کے لئے یہ چیز خاصی الجھن کا باعث بن گئی تھی کہ اگر وہ دولت مند ہے اور کسی اوپری سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے تو اس نے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیے کیا۔

اس کی نظر س پھر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھیں۔ پانچ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ میں اس نے کسی نہ کسی طرح گزار دیے تھے۔ لیکن یہ پانچ منٹ اس کے خیال کے

مطابق و بالجان بنے والے تھے۔ اس دوران میں ہوٹل کے کئی گندے لارکے اس کے آرڈر کے لئے کیبن کا چکر لگا چکے تھے حالانکہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کسی کا اختیار کر رہا ہے۔ لیکن پھر بھی ان میں سے ایک نہ ایک تھوڑے تھوڑے و قتے کے بعد کیبن کے سامنے آ کر ہوا جاتا تھا۔ شاید اس روئے کی محکم معمول قسم کی پٹ کی توقع تھی۔ آخر وہ پاچ منٹ بھی گذر گئے۔ انور جنجلہ کراخنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت کیبن کے سامنے آ کر رہی۔ اس نے ایک معمولی سی سفید ساری باندھ رکھی تھی۔ ویر میں سیاہ پینٹ کے پرانے سینڈل تھے جن کا دارش کہنگی کی وجہ سے جگہ جگہ سے چھتا ہوا تھا۔ عمر بیشکل انس میں کی رہی ہو گی۔ جسم صحت مند اور شخصیت جاذب توجہ تھی۔ خیں بھی تھی لیکن اتنی نہیں کہ اس پر شعر کہے جاسکیں۔ آنکھوں میں پچکا ہٹ یا شرمیلے پن کے بجائے ایک عجیب قسم کی بے تعلقی تھی۔ وہ ایک لمحہ تک انور کو تغیری نظر وہ سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر آگے بڑھی۔

”مسڑ انور.....!“ اس نے کیبن میں داخل ہو کر آہستہ سے کہا۔

”آپ کا خیال صحیح ہے۔“ انور اختنے کی بجائے کری کی پشت سے نیک لگاتا ہوا بولا۔

”کیا مجھے دری ہو گئی۔“ اس نے گھری کی طرف دیکھا۔

”آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”آپ دو منٹ دری سے پہنچیں۔“

”مجھے افسوس ہے کیا آپ دوپھر کا کھانا کھا کچے ہیں۔ میں آپ کو یہ لکھنا بھول گئی تھی کہ ہم کھانا بھی ساتھ ہی کھائیں گے۔“

”کیا آپ اس ہوٹل میں۔“ انور چونک کر بولا۔

”جی ہاں.....کیوں؟“

”مجھے افسوس ہے کہ مجھے چپکلیوں اور چوہوں کا قورم قطعی مرغوب نہیں۔“ وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

”بھی آپ تمہرے ہرے آدمی۔“ وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”ہم غریب لوگ تو بھی سب کچھ کھانے کے عادی ہیں۔“

انور اسے مغلکو نظر وہ سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں اس کے زم و نازک ہاتھوں پر

جم گئیں جو سک مرمر کے تراشوں کی طرح سبک اور بے داغ تھے۔

”لیکن آپ کے ہاتھ تو نہیں کہتے۔“ انور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔  
اس نے چونکہ کر اپنا ہاتھ جیچے کھینچ لیا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“ وہ اسے گھور کر بولی۔

”بھی کہ آپ کے ہاتھ کام کرنے کے عادی نہیں معلوم ہوتے۔“

”خبر ہو گا.....!“ وہ جلدی سے بولی۔ ”ہمیں کام کی بات کرنی چاہئے۔“

”میں نے آپ کو اس سے روکا تو نہیں۔“ انور نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

”لیکن کام کی نوعیت جان لینے کے بعد آپ کو انتہائی رازداری سے کام لیتا پڑے گا۔

کیونکہ یہ ایک شریف آدمی کی عزت کا معاملہ ہے۔“

”آپ کا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔ لوگ میرے پاس رازداری ہی کے لئے آتے ہیں۔“ انور نے خلک لجھے میں کہا۔

لڑکی نے بناوڑ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈیبا نکالی اور اسے کھول کر انور کے سامنے رکھ دیا۔ انور چونکہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ کبھی وہ ڈیبا کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ پھر اس نے ڈیبا سے کوئی چیز نکالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ ایک سیاہ رنگ کا پتھر تھا۔ جس کی گہرائیوں سے ہری، نیلی اور پیلی کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں۔

”سیاہ پتھر.....!“ انور آہستہ سے بڑا بڑا لیا۔

”اسے ستارے کا گلزار بھی کہتے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”ستارے کا گلزار.....!“

”ہاں..... یہ اسی نام سے مشہور ہے۔“

انور نے پتھر ڈیبا میں رکھ کر ڈھکنا بند کر دیا اور استقہامیہ انداز میں لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”اسے اس کے مالک بھک و اپس پہنچانا ہے۔“ لڑکی آہستہ سے بولی۔

”یہ کام تو آپ خود بھی کر سکتی ہیں۔“

”نہیں! یہ اس طرح اسے واپس کیا جائے کہ خود اسے بھی اس کا علم نہ ہو۔“ لڑکی پچکا ہٹ

کے ساتھ کہنے لگی۔ ”یعنی اسے وہیں رکھ دینا ہے جہاں یہ رکھا ہوا تھا۔“

”اوہ.....!“ انور کچھ سوچنے لگا۔

”کیا آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“

”اچھی طرح سمجھ گیا۔“ انور اسے تیز نظر وہ سے گھورتا ہوا بولا۔ ”غایبا یہ چیز ایسا گیا تھا۔“

”نیت تو یہی تھی مگر اب چرانے والے نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔“ لڑکی نے کہا۔

”تو کیا آپ ہی نہیں.....!“

”میں نہیں!“ وہ انور کی بات کاٹ کر بولی۔ ”میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک

”دوسرے آدمی کے لئے آپ سے معاملات ملے کر رہی ہوں۔“

”لیکن میں نے اس قسم کا کام آج تک نہیں کیا۔“

”معاوضہ معقول ملے گا۔“ لڑکی اس کی بات پر دھیان نہ دیتی ہوئی بولی۔

”تو یہ واپس کہاں جائے گا۔“ انور نے پوچھا۔

”پہلے آپ اس کا وعدہ کر لیجئے۔“

”آپ بھی بچوں کی سی باتیں کرتی ہیں۔“ انور چڑ کر بولا۔ ”میں کیا کوئی بھی اس کے متعلق سب کچھ جانے بغیر کسی قسم کا وعدہ نہیں کر سکتا۔“

”خیر.....! مگر ایک شرط ہے۔ کام نہ کرنے کی صورت میں بھی آپ اخلاق اسے راز رکھے پر مجبور ہوں گے۔“

”مختکر.....!“

”یہ پتھر ماہر ارضیات پروفیسر یوری کی ملکیت ہے۔ کم از کم ان کا نام تو سنائی ہو گا۔“

”پروفیسر یوری۔“ انور اپنے حافظے پر زور دینے لگا۔ ”وہی تو نہیں جس نے چھٹے سال

”یعنی پتھروں کی میں الاقوای نمائش میں حصہ لیا تھا۔“

”وہی.....! کیا آپ اس سے واقف ہیں۔“

”نہیں.....!“ انور سگر ہٹ سلاکتا ہوا بولا۔

”یہ پتھر ایک شوکس میں رکھا جائے گا جو اس کے پتھروں کے ذخیرے والے کمرے میں

رکھا ہے۔"

"ہوں۔" انور مکرا کر بولا۔ "تو گیا آپ مجھے چوری کے ہرام میں گرفتار کرنا چاہتی ہیں۔"

"آپ خواہ تو وہ خوفزدہ ہو رہے ہیں۔" لڑکی نے بخیدگی سے کہا۔ "میں آپ کو ان حالات

میں بھی نہ سمجھوں گی کہ آپ پکلنے جائیں۔"

"یعنی.....!"

"آج رات کو پہ فیر گھر پر نہیں ہو گا۔ اس کی واپسی کل شام سے پہلے ہاٹکن ہے۔"

"خوب.....!" انور میز پر جنک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ بہت غلی آدمی ہے۔ اس لئے اس کے گھر میں نوکر نہیں ہیں۔ صرف ایک محترم

سکرپٹری ہے جو پھر دل کی دلکشی بحال کرتا ہے۔"

"اچھا اگر اسی محترم سکرپٹری سے شرف ملاقات حاصل ہو گیا تو۔" انور مکرا کر بولا۔

"سکرپٹری بھی آج رات کو موجود نہ رہے گا۔"

"آپ سب کچھ جانتی ہیں۔" انور نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "جب اتنی آسانیاں

موجود ہیں تو آپ خود یہ سب کام کیوں نہیں کر داتیں۔"

"بعض حالات کی بناء پر میں خدا ایسا نہیں کر سکتی۔"

"عجیب بات ہے۔" انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "میں معمولی چوروں کی طرح کسی مکان کا تالا توڑنا پسند نہیں کرتا۔"

"تالا توڑنے کو کون کہتا ہے۔" وہ اخلاق کر بولی۔ "آپ تالے کھول کر مکان کے اندر داخل

ہوں گے۔"

"یعنی.....!"

"میرے پاس کچھ ایسا موجود ہیں۔"

"اوہ.....!" انور پھر چونکہ پڑا۔

"آپ کو کوئی دشواری نہ ہوگی۔ مکان دریا کے کنارے ایک غیر آباد مقام پر ہے۔ سونا گھاٹ پر۔ وہاں صرف وہی ایک کوئی ہے جس کے گرد آموں کا بااغ ہے۔ صدر دروازہ مشرق کی

جانب ہے جس کی کنجی یہ رہی۔ اس کے بعد ایک بڑا کمرہ ہے غالباً وہ بھی مغلل ہو گا۔ لہذا اس کی کنجی بھی آپ لے سکتے ہیں۔ اُسی کمرے میں والہی طرف ایک دروازہ ٹلے گا یہ بھی مغلل ہو گا اور سبھی اس کمرے کا دروازہ ہے جس میں پھر وہ کا ذخیرہ ہے۔“

انور خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ساتھے میز پر تین کنجیاں پڑی ہوئی تھیں۔

”بہت خطرناک کام ہے۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”لیکن پروفیسر تیموری جائے گا کہاں۔“

”تاریخ کے پہاڑی علاقے میں۔ وہ آج مجھ چلا بھی گیا۔“

”دہاں کیا کرنے لگا ہے۔“

”دہاں اس کا ایک دوست رہتا ہے اُسے بھی اُسی کی طرح پھر وہ سے دلچسپی ہے اور وہ

اس کا کارڈ بار بھی کرتا ہے۔“

”اُس کا نام.....؟“

”مکولس..... وہ میساٹی ہے اور دہاں اس کا شوروم بھی ہے۔“

”سیکریٹری کہاں جائے گا.....؟“ انور نے پوچھا۔

”اس کے متعلق مجھے علم نہیں لیکن اس کی عدم موجودگی کا سو فیصدی یقین ہے۔“

”اس پھر کے متعلق اور کچھ نہیں بتا سکتیں۔“

”تجھے افسوس ہے۔“

”تجھے اس سے زیادہ افسوس ہے۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

”مسٹر انور.....!“ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ لمحہ میں اتحادی۔ ”یہ ایک شریف آدمی

کی عزت کا معاملہ ہے۔ تجھے پورا یقین تھا کہ آپ تیار ہو جائیں گے۔“

”میں اس قسم کا کام نہیں کرتا۔“

”آپ کی ہر شرط تجھے منظور ہو گی۔“

انور کو دھڑا اپنے بک بلنس کا خیال آگیا۔ جو روز بروز کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ چند لمحے لڑکی

کی طرف دیکھتا رہا پھر بیٹھ گیا۔

”خبر میں کوشش کروں گا۔“

”اس کیلئے آپ کتنا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔“ لڑکی کے لہجے میں خوشی کی کپکاہت تھی۔  
”معاویت کی باتیں بعد کو ہوں گی۔ ابھی صرف میں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا ہے اگر  
کامیاب ہو گیا تو خیر و رہنے آپ کی چیزیں کل دوپہر تک واپس کر دوں گا۔“

”چلے منکورا! میں آپ کو کل اسی وقت یہاں ٹوٹوں گی۔“

”آپ کا نام.....؟“

”مجھے اس کیلئے مجبور نہ کہجئے۔“ لڑکی نے کہا اور ہوٹل کے لاٹ کے کو بنا کر کھانے کا آرڈر دیا۔  
انور نے سمجھا اور ڈیبا اٹھا کر جیب میں ڈال لیں۔

”میرا فون نمبر ۵۳۰ ہے۔“ انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ واقعی کھانا نہ کھائیں گے۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”نہیں اور آپ کو بھی یہی مشورہ دوتا گا کہ آپ بھی محض دکھاوے کیلئے اپنا معدہ خراب نہ کہجئے۔“  
”دکھاوے کے لئے کیوں؟“

”آپ کا تعلق حتیّاں طبقے سے نہیں جس میں آپ خود کو کھانا چاہتی ہیں۔“

”تو کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”قطیٰ نہیں! یہ محض میرا اندازہ ہے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا اور ہوٹل سے نکل کر فٹ  
پا تھوڑا آگیا۔ چند لمحے کمزرا سوچتا رہا پھر دلتنی طرف مڑ گیا۔ کچھ ہی دور آگے چل کر وہ ایک  
چھوٹے سے ریستوران میں گھس گیا۔

”سعید.....!“ اس نے ایک لاٹ کے کو آہستہ سے پکارا۔ شہر میں متعدد جگہوں پر اس کے  
گرے موجود تھے۔ یہ بھی انہی میں سے ایک تھا۔ اس حتم کے لوگ چھوٹی چھوٹی رتوں کے عوض  
اس کی مدد کرتے ہیں اور پھر انہیں یہ بھول جانا پڑتا تھا کہ انہوں نے کبھی اس کا کوئی کام کیا تھا۔

## شو روم

”سعید! تمہارے لئے فی الحال ایک معقول آدمی کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔“ انور نے کہا۔

”فرمائے صاحب۔“

”اُسی لائن میں مدینہ ہوٹل ہے نا..... وہاں کی بنی نمبر ۵ میں ایک لوگی کھانا کھاری ہے  
تمہیں اس کے متعلق معلومات بھیم پہنچانی ہیں۔“

”اچھا صاحب.....!“

”لیکن جلدی کرو! وہ سفید ساری اور بیازی بلا ذرہ پہنچنے ہوئے ہے۔“

سعید باہر چلا گیا اور انور نے دفتر سے لڑکے کو بلا کر فوج کا آرڈر دیا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد وہ کافی کی بیالی اور سگر ہت کے پلکے پلکے کشوں سے لطف اندر ہوتا رہا۔ اُسے یقین تھا کہ سعید کافی دری میں آئے گا کیونکہ وہ اس قرب و جوار کی رہنے والی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس گھٹیا سے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا نہ کھاتی اور اُسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ متوسط طبقے سے تعلق نہیں رکھتی۔

اس کی توقعات کے خلاف سعید آدم گھٹنے کے اندر ری اندر رواپس آگیا۔

”صاحب..... وہ اگلے چورا ہے تک پیدل ہی گئی۔ اس کے بعد فوج لا اغڑی کے سامنے والی گلی میں مڑ گئی۔ پچھے دور پیل کر ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھی اور نہ جانے کا درکل گئی۔ وہاں مجھے کوئی ٹیکسی بھی نہیں سکی کہ اس کا چیخنا کرنا۔“

انور نے برا سامنہ ہٹایا۔

”کیا کار میں کوئی اور بھی تھا۔“

”مجی نہیں..... وہ خود ہی ڈرائیور کر رہی تھی۔“

”کار کا نمبر کیا ہے۔“

”مجی ہاں وہ تو میں نے لکھ لیا تھا۔“ وہ اپنی میسیں شوٹ ہوا بولا۔

”خیر تم نے یہ کام عتل مندی کا کیا۔“ انور نے اس کے ہاتھ سے پرچھ لیتے ہوئے کہا۔  
پرچھے پر ایک نظر ڈال کر اس نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

”یہ لو.....!“ اس نے پانچ کا ایک نوٹ لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اور اب

اے بھول جاؤ۔“

ریستوران سے اٹھ کر وہ آفس آیا۔ رشیدہ دری سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ابھی تک اسی کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ انور کو دیکھتے ہی وہ برس پڑی۔

”اگر تم مجھ کے وقت واپس نہیں آ سکتے تھے تو تمہیں کہہ کر جانا چاہئے تھا۔“

”تم خواہ خواہ میرا انتظار کیا کرتی ہو۔“ انور نے تک لجھے میں کہا۔

”تو کیا آفس میں لٹنے کا ارادہ ہے۔“

”آفس کیا میں ہر جگہ لٹنے پر آمادہ رہتا ہوں۔“

”میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔“

”بہت اچھا کیا..... اکثر دوپہر کا کھانا گول کر جانے سے مددہ ٹھیک رہتا ہے۔“

”خیر! تم مٹھکہ ازاں لو..... لیکن کسی دن تمہارے معدے کا بھی محتوق علاج کر دیا جائے گا۔“

”تم مجھے دھمکانے کی کوشش نہ کرو..... میں ایک ہفتہ تک بغیر کھانا کھائے زندہ رہ سکتا ہوں۔“

”تم ہو خاصے جنگلی جانور..... ریگستانی اونٹ۔“ رشیدہ نے جھنجھلا کر کہا۔

”رشوڈ ارٹنگ.....!“ انور رومنگ انداز میں بولا۔

”میں کسی قسم کی چالپڑی کے لئے تیار نہیں۔“

”میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ میں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی سے مل کر آ رہا ہوں۔“

”تو میں کیا کروں۔“

”صبر کرو۔“ انور اتنے دردناک لجھے میں بولا کر رشیدہ کے سکٹے ہوئے ہوتوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ کی لرزشیں نظر آئے لگیں۔

”اچھا تم یہاں سے چلے جاؤ۔“

”میں بھی کہنے کے لئے آیا ہوں کہ میرا انتظار نہ کرنا۔ میں تارجم جا رہا ہوں۔“

”جادو دفان ہو۔“ رشیدہ جلدی سے بولی۔ لیکن پھر انور کو گھورنے لگی ”کیوں تارجم کیوں

جاری ہے ہو.....؟“

”ایک دلچسپ کیس ہاتھ آگیا ہے۔“

”کیس ہی کیس ہاتھ آیا ہے یا کچھ ملنے کی بھی امید ہے۔“

”نبیل یہ کام تو میں نیں سبیل اللہ کر رہا ہوں۔“ انور کے چہرے پر مخصوصیت پھیل گئی۔

”ہو گا..... مجھے کیا۔“ رشیدہ اٹھی ہوئی بولی۔ ”میں کھانا کھانے جارہی ہوں۔“

”میں تمہیں روک تو نہیں رہا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگرہت کے لئے جیب ٹوٹنے لگا۔

پھر پیکٹ سے ایک سگرہت نکال کر اس کے سرے کوای طرح دیکھنے لگا جیسے اس میں سے کسی ہاتھی کے برآمد ہونے کی توقع رکھتا ہو۔ رشیدہ کھڑکا کر جانے لگی۔

”خہبر و.....!“

رشیدہ پلٹ کر اسے گھومنے لگی۔ انور نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”تمہیں اس تمبر کی کارکا پڑ لگانا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیوں؟ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ اس خوبصورت لڑکی سے میں نے کچھ کاروباری باتمیں کی تھیں۔“

”کی ہوں گی۔ مجھے اس سے کیا غرض۔“

”خیر تو اسے ادھر لاو۔“ انور کا ٹکڑا پھر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”تم جا سکتی ہو۔“

”نبیل جاتی۔“ رشیدہ تیز لمحے میں بولی۔ ”تم آخرتے حکما نہ لجھ میں کیوں گفتگو کرنے

لگے ہو۔“

”اس لئے کہ میں آج کل ڈنگرے کا بال امرت استعمال کر رہا ہوں۔ جاؤ نظر وہی سے

دور ہو جاؤ۔“

”دیکھو..... میں تمہیں سینیں آفس میں چاننا مار دوں گی۔“

”اور میں سینیں آفس میں تمہارا مقبرہ بنانا کر تو اسی شروع کر دوں گا۔“

”جنگلی.....!“ رشیدہ پیر پختی ہوئی چلی گئی۔

انور نے سگرہت سلاکا کر دوتن لے لے کش لئے اور کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی دروازے کی طرف بڑھا۔ نیچے فٹ پاتھ پر موڑ سائیکل کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پڑول کی مشکلی کھول کر پڑول دیکھا اور پھر درسے لئے میں موڑ سائیکل سڑک پر فرانے بھرنے لگی۔ باشم روڑ کے

چوراہے کے پڑوں پہپ سے اس نے کچھ اور پڑوں لیا اور تار جام والی سڑک پر گاڑی موزدی۔ تین بجے تھے۔ لیکن اسے یقین تھا کہ وہ پانچ بجے تک تار جام ضرور پہنچ جائے گا۔ راستے اس سے کم وقت میں بھی طے ہو سکتا تھا لیکن آگے چل کر پہاڑی علاقہ شروع ہو جانتے کی وجہ سے سڑک ناہموار ہو گئی تھی اور کہیں کہیں تو اتنے خطرناک موڑ تھے کہ ذرا سی لغزش سوار اور سواری دونوں کو پاتال کی سیر کر سکتی تھی۔

تار جام شہر سے پورے سانچھ میل کے دوری پر واقع تھا۔ اب سے دس سال قبل یہ ایک بالکل ہی اجائز علاقہ تھا۔ کہیں کہیں ندیوں کے کنارے چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد تھے۔ وہ بھی دس بارہ جھونپڑوں سے زیادہ کے نہ ہوں گے۔ اچانک دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اس کے دن پھر گئے۔ دیسے تو جنگ سے قبل ہی سے ماہرین ارضیات کا خیال تھا کہ اس علاقے میں لوہے اور کوئی کائن موجود ہیں لیکن کوئی کان کنی کے لئے تیار نہ ہوا تھا جنگ شروع ہوتے ہی اس چیز کی طرف دھیان دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دہاں لوہے کے کئی کارخانے قائم ہو گئے۔ پھر رفتہ رفتہ ایک چھوٹا موٹا شہر آباد ہو گیا۔ انور دو ایک بار اس طرف آپ کا تھا اس لئے وہ زیادہ احتیاط کے ساتھ موڑ سائیکل نہیں چلا رہا تھا۔ یہاں کے سارے خطرناک موڑ اس کے دیکھے ہوئے تھے۔ تار جام سے تین میل ادھر ہی اسے سڑک کے کنارے ایک بڑا سا بورڈ دکھائی دیا۔ یہ گولس کے شوروم کا بورڈ تھا۔ انور بنے اختیار چوک پر۔ شہر کے باہر شوروم قائم کرنے کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں کی زمین ہموار تھی۔ اس لئے انور نے موڑ سائیکل کا رخ عمارت کی طرف پھیر دیا۔ جیسے ہی وہ عمارت کے قریب پہنچا ایک بھلی سا بورڈ حا آدمی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک میلی سی فوجی وردی پہن رکھی تھی منہ میں بھدا سا پاپ دبا ہوا تھا۔ گھٹی موچھوں کے سفید بال جن کے پلے حصے سرخی مائل تھے بل کھا کر پلے ہوٹ کو چھورہ ہے تھے۔ سفید بھوؤں کے نیچے سرخ سرخ آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور گالوں کی ہڈیوں کے ابھار پیشانی کی سطح سے بھی آگے لٹکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے تکہمانہ لجھے میں پوچھا۔

”مجھے مسٹر کولس سے ملتا ہے۔“ انور نے کہا اور مشین بند کر دی۔

”بوز حا عمارت کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے ہٹ گیا۔“

”تم چوکیدار ہو۔“ انور نے آہستہ سے پوچھا۔

”نہیں.....!“ وہ کڑے لجھ میں بولا۔ ”حوالدار مجھر۔“

انور کو بے اختیار چارلی چپن یاد آ گیا۔ لیکن اس بنے اپنے قہقہے کو ہوتلوں تک پہنچانے دیا۔ موڑ سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے وہ عمارت میں داخل ہو گیا۔ ایک ڈسپیچ کرے میں چاروں طرف مختلف قسم کے معمولی اور غیر معمولی پتھروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ فیتنی اور چھوٹے ٹکلےے عموماً شیشے کے شوکیسوں میں نظر آ رہے تھے۔ سامنے غالباً دوسرا کمرہ تھا جس کے دروازے میں سیاہ رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اندر سے کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ دھنٹا ایک دبلا پتا آدی پر دہ ہٹا کر شوروم میں داخل ہوا۔ وہ انور کی طرف استفہامی نظر وہیں سے دیکھنے لگا۔

”میں ادھر سے گذر رہا تھا۔“ انور پچکاتا ہوا بولا۔ ”آپ کا سائیں بورڈ دیکھ کر بے جین ہو گیا.....یعنی.....میں.....میں۔“

”آپ کو پتھروں سے دیکھی ہے۔“ آنے والے نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔

”جی ہاں.....جی ہاں۔“ انور جلدی سے مضطربانہ انداز میں بولا۔

”شووق سے۔“ اس نے چاروں طرف ہاتھ گھماتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔

انور پتھروں کو بغور دیکھنے لگا۔ آنے والا اُسے توجہ اور دیکھی سے دیکھ رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد انور پورے کمرے کا چکر لگا کر ایک بڑے شوکیس پر دوبارہ جھک گیا۔ ایک سایہ مائل سرخ پتھر اُس کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

”کاش.....کاش.....میں کیا بتاؤ۔“ انور اس کی طرف مڑ کر متاسفانہ انداز میں ہاتھ مٹا ہوا بولا۔

وہ استفہامیہ انداز میں انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں اس پتھر کے بارے میں کہہ رہا تھا۔“

آنے والا شوکیس پر جھک گیا۔ پتھر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”میرا مطلب..... یہ کہ..... کاش اس کی سیاہی اور گہری ہوتی۔“ اور جیسا تھا بولا۔  
”سیاہ پکھراج۔“

وہ اُسے چونک کر دیکھنے لگا اور دوسرے کمرے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اُور نے پٹک کر دیکھا۔ ایک بھاری بھر کم آدمی اسے گھوڑا تھا۔ اس کی عمر پچاس اور سانچھے کے درمیان میں رعنی ہو گی۔ قوی ماضیوں تھے اور سرفیر معمولی طور پر بڑا تھا اور آنکھیں اسی حد تک چھوٹی تھیں۔ بھروس میں ایک آدھ سفید بال بھی نظر آ رہے تھے۔ وہ سفید قمیش اور سفید پتلون میں ملبوس تھا تھے جانتے کیوں اسے دیکھتے ہی انور کے ذہن میں ہاتھی کا تصور بیدار ہو گیا۔  
”آپ سیاہ پکھراج کی بات کر رہے تھے۔“ وہ انور کو ملکوں نظر دیں سے دیکھتا ہوا آہ سے بولا۔

”جی ہاں..... جی ہاں..... میرا خیال ہے کہ وہ بہت ہم کم یا بھی ہے۔“

”آپ کو پتھروں سے بچپنی ہے۔“

”جی ہاں..... تمہوزی بہت..... ابھی نیا نیا شوق ہے۔“

”کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”ضرور..... ضرور..... مجھے جاویدہ کہتے ہیں۔“

”خوب.....!“ وہ سکرا کر بولا۔ ” غالباً آپ شہری میں رہتے ہیں۔ کبھی میرے بھاں تشریف لائیے۔ سونا گھاٹ پر تیمور منزل میں رہتا ہوں۔ مجھے بھی پتھروں سے بچپنی ہے۔ مجھے لوگ پر و فیسر تیموری کہتے ہیں۔“

”اوہ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ اور لہک کر بولا۔ ”میں نے پتھروں کی میان الاقوامی نمائش کے سلسلے میں آپ کے متعلق پڑھا تھا۔ میری خوشی ہے کہ آج اتنے ہرے آدمی سے اتفاقی طاقتات ہو گئی۔“

پروفیسر تیموری فخر یہ انداز میں سکرانے لگا۔ لیکن انور کو اس کی تنفسی تنفسی آنکھوں میں چھپی ہوئی بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔ انور تمہوزی دیر خاموش رہ کر دوسرے آدمی سے مخاطب ہوا۔  
”میں کسی دن ضرور آؤں گا..... میں کوئی ذی حیثیت آدمی نہیں ہوں لیکن شوق کو کیا کیا

جائے۔ ابھی میرے پاس بہت زیادہ قیمتی پتھر نہیں ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ ضرور تشریف لا لائے۔“ وہ تا جانتے خوش اخلاقی کے ساتھ بولا۔ ”یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہر شوق شروع میں کم مانگی کاشکار رہتا ہے۔“

”برسپل مذکورہ۔“ پروفیسر تیموری بولا۔ ”کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے۔“

”ذریعہ معاش.....!“ انور شرما تا ہوا بولا۔ ”نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔“

”پھر بھی.....!“

”رُدی کاغذ کا یوپاری ہوں۔“

”بہت اچھا ہے.....بہت اچھا۔“ دوسرا آدمی اپنی دانست میں اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہوا بولا۔ ”آپ اس تجارت میں کروڑ پتی بھی ہو سکتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ ہم لوگ ایک ہی شہر کے باشندے ہیں اور

مجھے مچھلوں کے شکار کا بھی شوق ہے۔ ممکن ہے آپ نے مجھے سونا گھٹ پر دیکھا ہو۔“

پروفیسر تیموری نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ کچھ مخلوک نظر آ رہا تھا۔ انور نے زیادہ دری

مکمل خبر نہ مناسب نہ سمجھا۔

”اچھا..... اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ انور نے کہا اور واپس جانے کیلئے مڑا۔

”کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔“ دوسرا آدمی دیر مکمل دھرا تا رہا۔

انور موڑ سائکل اسٹارٹ کرنے جانی رہا تھا کہ پیچے سے ایک کرکٹر اتنی سی آواز سنائی دی۔

”ائٹن شن.....!“

انور چوک پڑا۔ میلی وردی والا بوڑھا منہ میں پاسپ دبائے ہوئے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

”تم نے مجھے چوکیدار کہا تھا؟“ اس نے چند رسم و من مرعوم کی طرح جھاگیرانہ انداز میں پوچھا۔

”مجھے دھوکہ ہوا تھا۔“ انور آہستہ سے بولا۔

”میں حوالدار مجرم ہوں۔ حوالدار مجرم شمشیر نکھ۔“ بوڑھے نے اپنی چھاتی نمودنگتے ہوئے کہا۔

”اچھا آداب عرض، میجر صاحب۔“ انور نے مسکرا کر کہا اور موڑ سائکل اسٹارٹ کر دی۔  
 ”کوئیک مارچ.....!“ بیوڈھا طلق کے مل چینا۔ لیکن مشین کے شور میں اسکی آواز اجھرنے لگی۔  
 انور شہر کی طرف واپس چاہا تھا۔ لڑکی کے قول کی تصدیق ہو گئی تھی۔ لیکن گولس کا شوروم  
 اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ آخر شہر سے دور ویرانے میں شوروم قائم کرنے کی کیا ضرورت  
 تھی۔ شوروم عموماً ایسے بازاروں میں ہوتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ گاپک متوجہ ہو سکتے۔ اگر  
 شہر میں اس کا کوئی شوروم موجود ہوتا تو تارجاماں والے شوروم کو اس نو بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ خیر  
 یہ سب چیزیں تو الگ رہیں۔ انہیں گولس کی جگہ بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ یا کوئی کار و باری  
 مصلحت۔ لیکن وہ لڑکی کون تھی۔ اس کا پروفیسر تیموری سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ کالا پتھر اس  
 کے ہاتھ کیے لگا اور پھر جب وہ پروفیسر اور اس کے سیکریٹری کے پروگرام سے واقف تھی اس کے  
 مکان کی سمجھیاں اس کے پاس تھیں تو پھر خود اسی نے اس پتھر کو واپس کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی  
 ۔ جب یہ معاملہ اتنا ہی عجین تھا کہ اس نے اپنا نام ظاہر کرنے کی بہت نہیں کی تو پھر ایک اور رازدار  
 بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ جیسے جیسے انور ان چیزوں پر غور کر رہا تھا اسکی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔  
 آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی تاریکی نے اُسے اپنے دامن میں چھپا لیا۔

## غیر متوقع حادثہ

گھر بیٹھ کر اس نے سارے حالات رشیدہ کو بتا دیے اور وہ پتھر بھی دکھا دیا۔  
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم روز بروز اتنے یہ قوف کیوں ہوتے جا رہے ہو۔“ رشیدہ جلا  
 کر بولی۔

”کیوں.....؟“

”مجھے تم سے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم کوئی ایسا کیس بھی لے لو گے جس کے لئے تمہیں  
 چوروں کی طرح گھردوں میں گھستا پڑے۔“

”ذرا سوچو تو یہ چیز کتنی شاندار ہو گی کہ میں ایک چہ ائی ہوئی چیز چوروں کی طرح واپس

کرنے جاؤں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم کسی زبردست جاں میں چلنے والے ہو۔"  
"ممکن ہے۔"

"میں تمہیں ہرگز اس کی رائے نہ دوں گی۔"  
"تمہاری رائے کی پرواہ کون کرتا ہے۔"

"تم..... تم.....!" رشیدہ جیخ کر بولی۔ "تمہیں میری رائے کی پرواہ کرنی پڑے گی۔"  
"چ..... چ.....!" انور افسوس کرتا ہوا بولا۔ "تم بہت جیختے گئی ہو۔ یہ جیز تمہاری صحت پر  
اثر ڈالے گی۔"

"جتنا دل چاہے منحک اڑاؤ لیکن میں تمہیں ہرگز نہ جانے دوں گی۔"

"ای لئے میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" انور مخصوصیت سے بولا۔

"دیکھو انور..... کہیں مجھے سخت تھوڑا جانا پڑے۔"

"تم دیے بھی زیادہ نرم تو نہیں ہو۔ خدا جانے تا بنے کی ہو یا لو ہے کی۔"

"چپ رہو۔"

"نہیں چپ رہوں گا۔ تم کی بھیت ہو۔ تے الجبرا ہو اور تھیو میٹری۔"

"بس کرو..... یہ بے شکی بکواس۔ جس کا نہ سر نہ تھیر۔ دنیا بھیت ہے انور ہذا عقل مند ہے۔"

"بین ہے۔ میری جو تیاں کے قتل میں بچے ہوئے ہومیاں..... ورنہ جبل میں سڑتے ہوتے۔"

"رشو.....!" انور پیار بھرے لبھ میں بولا۔

"کیا ہے.....؟" رشیدہ کے لبھ میں جلا ہٹ تھی۔

"تم اپنی جو تیاں چھوڑ کر فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اگر تمہاری جو تیاں میری کامیابیوں کی خاصیں ہیں تو مجھے قطیٰ تمہاری ضرورت نہیں۔"

تمہاری جو تیاں ہی کافی ہیں جو فضول ٹائیں ہائیں کر کے وقت نہیں خالق کرتیں۔"

"میں پھر کہتی ہوں کہ تم مجھ سے پہلے ان کبروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

”آخر تم اتنی صدی کیوں ہو گئی ہو۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل کہیں چلتے گئی ہے۔ تم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ لڑکی جو تمہیں پروفیسر کے مکان کی کنجیاں تک دے سکتی ہے جو اتنا جانتی ہے کہ آج رات بھر پروفیسر کا مکان خالی رہے گا اس نے خود ہی یہ کام کیوں نہ سرانجام دے ڈالا۔ آخر خواہ مخواہ تمہیں چج میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔“

”میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”اور اس کے باوجود بھی تم وہاں جانے کے لئے تیار ہو۔“

”اگر تم مجھے کوئی مشورہ نہیں دے سکتیں تو یہاں سے چلی جاؤ۔“

”ارے! تو کیا میں اتنی دیر سے جبکہ مار رہی تھی۔“

”قطیعی جبکہ مار رہی تھیں۔ مشورے آندھی اور طوفان کی طرح نہیں دیئے جاتے۔“ انور ضرورت سے زیادہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ ”واقعات سننے کے بعد ہی تم بُری طرح برس پڑیں اور مجھے بھی ناد آ گیا۔ میں اسی چیز کے متعلق تم سے انکھوں کرنا چاہتا تھا کہ آخر دہلی خود ہی اس پھر کو اس کے مالک سک کیوں نہیں پہنچا دیتی۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ شاید اسے خود اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ ”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہیں چھانٹا چاہتا ہے۔ اسی صورت میں جبکہ یہاں کے مجرم ہی نہیں بلکہ پولیس والے بھی تمہارے دشمن ہیں۔ تمہیں ہر وقت محتاط رہنا چاہئے۔“

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔

رشیدہ کے چہرے سے فکر مندی اور جلاہٹ کے سارے آثار غائب ہو گئے۔

”سنورشو.....!“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”یہ پھر بہت قیمتی ہے بلکہ بعض جو ہری تو یہاں سک کہتے ہیں کہ ابھی تک اس کی کوئی قیمت ہی متعین نہیں ہو سکی۔ شاید اب سے دو سال پہلے میں نے ایسے ہی ایک سیاہ پکھراج کے متعلق اخباروں میں پڑھا تھا۔ مدراس کے کسی جو ہری کے یہاں چوری ہوئی تو اس کے یہاں سے ایک سیاہ پکھراج بھی چلایا تھا۔ جو ہری کو جب یہ معلوم

ہوا کہ سیاہ پھر اج بھی چالیا گیا ہے تو اس کا ہارت فیل ہو گیا۔ تم خود سوچو کہ وہ چیز کتنی قیمتی ہو سکتی ہے جس کے خاتمہ ہو جانے پر اس کا مالک صدمے کی وجہ سے مر جائے۔“  
انور خاموش ہو گیا..... اس کی آنکھیں رشیدہ نئے داہنے شانے پر جھی ہوئی تھیں۔

”تو پھر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”بھی کہ میں یہ پھرنہ تو پر و فیر چھوڑی کے مگر پہنچاؤں گا اور نہ فی الحال اُس لڑکی کو داپس دوں گا۔ اب میں یہ پڑھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ لڑکی کون ہے اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ دراصل وہ مجھے پھنسانا چاہتی تھی تو پھر یہ پھر ہماری ملکیت ہو گا کیا سمجھیں۔“

”خیال تو کچھ رہا نہیں۔“ رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن نہیں..... میں تمہیں یہ پھر بھی نہ رکھتے دوں گی۔“

”کیوں.....؟“

”بس یونہی.....!“ رشیدہ زم لجھ میں بولی۔ ”بھی تو میری بات مان لیا کرو۔“

”تم جو کہو گی وہی کروں گا۔“ انور نے مشتعل آواز میں کہا۔ ”لیکن مجھے یہ تو دیکھنا ہی پڑے گا کہ اس سازش کی پشت پر کون ہے۔“

”میں اس کے لئے منع نہیں کرتی۔“

”تم بہت اچھی ہو..... تھجھ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔“

”خیر تمہیں اس کا احساس تو ہوا۔“

”مگر مجھے تم سے ذرا برا بر محبت نہیں۔“

”میں خود نہیں چاہتی کہ کوئی دیکھنا کتنا مجھ سے محبت کرے۔“ رشیدہ نے کہا اور انور کو قہر آلو د نظر دوں سے گھوڑتی ہوئی فلیٹ میں چل گئی۔

انور کے چہرے پر شرات آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے ایک سگریٹ سلاکائی اور ٹبل کر پینے لگا۔ دیوار سے لگا ہوا کلاک نو بجارتھا سگریٹ ختم کرنے کے بعد اس نے کپڑے اتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا اور ارام سری پر لیٹ کر ایک کتاب پڑھنے لگا۔

گیارہ بجے اس نے بھلی بجھادی اور آہستہ سے باہر نکل آیا۔ رشیدہ کے فلیٹ میں اندر ہمرا

تحاشا یہ وہ سو گئی تھی۔ انور اندر لوٹ آیا۔ باہر والے کمرے میں اُس نے دوبارہ روشنی نہیں کی۔ اندر کے کمرے میں جا کر اُس نے کپڑے پہنے اور احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا پھر باہر آ گیا۔

تموزی دیر بعد وہ گیرج سے موڑ سائکل ٹکال رہا تھا۔

سونا گھاٹ والی کچی سڑک سنان پڑی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ رات یوں بھی تاریک تھی۔ بادلوں کی وجہ سے ستاروں کی دھنڈلی روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ سڑک کے گرداؤں گی ہوئی جھاڑیاں حشرات الارض کی آوازوں سے گونج رہی تھیں۔

انور نے موڑ سائکل سونا گھاٹ کے اوہرہی ایک میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپا دی اور پیدل چلنے لگا۔

تیمور منزل کے تاریک آثار دور سے نظر آرہے تھے۔ نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بہت بھی پُر اسرار عمارت میں داخل ہوتا جا رہا ہے اور وہاں ضرور کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ اُسے پروفیسر تیموری کا پیروہ یاد آ گیا۔ چھوٹی چھوٹی دھنڈلی آنکھیں جن کی دھنڈھلاہٹ اپنے پس منظر میں کوئی پُر اسرار چیز چھپائے ہوئے تھیں۔ انور اس وقت سوچ رہا تھا کہ اس نے تاریخ میں سیاہ پھر کا تذکرہ چھینگ کر غلطی کی تھی۔ اگر واقعی یہ پھر پروفیسر تیموری کے بہاں سے چلایا گیا تھا تو سیاہ پھر کے تذکرے پر اس کا مخلوق ہو جانا قطیقی قدر تی امر ہے۔ پھر کئی خدشات اُس کے ذہن میں ابھر آئے جنہیں وہ سگریت کے گھرے کشوں سے دبانے کی کوشش کرنے لگا۔

پروفیسر تیموری کی پچھلی زندگی سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ویسے آج کل شہر اور اس کے قرب و جوار کے حصوں میں وہ کافی مالدار سمجھا جاتا تھا۔ ارضیات پر اس نے دو تین کتابیں بھی لکھی تھیں اور ارضیات کے طباہ میں غیر معروف نہیں تھا۔ کسی زمانے میں یونیورسٹی میں ارضیات کا معلم بھی رہ چکا تھا۔ شہر میں اس کے دو تین بیٹگے تھے لیکن سب کوئے پر اٹھے ہوئے تھے اور وہ خود ایک غیر آباد مقام پر اقامت گزریں تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا عمارت درختوں کی اوٹ میں چھپتی جا رہی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اُس نے پھاٹک کو ہلکا سادھا کا دیا اور وہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل روشن تھی

جس کے دونوں طرف اوپنے اوپنے درخت تھے۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ روشن کا سلسلہ عمارت کے صدر دروازے کے سامنے ختم ہو گیا۔ چاروں طرف اندر ہمراور سنانا چھالیا ہوا تھا۔ مکان کے اندر بھی زندگی کے آثار مخفود معلوم ہو رہے تھے کسی کھڑکی یا روشنی نہ دکھائی دی۔ انور ایک لمحہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر جیب سے کنجیاں نکال کر انہیں آزمائے لگا۔

دروازہ کھل گیا..... اندر اندر ہمراور تھا..... انور نے برتنی لیپ پٹکالا اور اس کی مدھم اور ہائل انتشار روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ ایک وسیع ہال سے گزر رہا تھا۔ آگے چل کر داہنے ہاتھ پر ایک دوسرا دروازہ دکھائی دیا انور نے دوسرا کنجی لگائی۔ دروازہ کھل گیا انور اندر قدم رکھنے لئے والا تھا کہ کہیں کھڑک رہا ہے کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوار سے چپک گیا اور پھر اچانک اس کی قوت شامہ نے ایک خاص قسم کی خوبیوں کا تحریر کیا اس نے تنخے سکوڑ کر ایک گمراہ انسان لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خوبیوں کو اپنے ذہن میں حفظ کر لینے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے اس کے نارجی کی روشنی وہی طرف پڑی۔ لڑکی کے بیان کے مطابق اسی طرف وہ شوکیں رکھا ہوا ملا جس میں وہ پھر رکھنا تھا۔ اس میں کئی خانے تھے جن میں مختلف قسم کے پتھروں کے تنخے تنخے کلوے زکھے ہوئے تھے اور ہر خانے کے یونچے پتھروں کے ناموں کی چیزوں کی ہوئی تھیں۔ ایک خانہ خالی تھا جس کے نیچے "سیاہ پکھراج" تحریر تھا۔ انور نے شوکیں کھول کر پتھر اس میں رکھ دیا اور واپس ہونے کے لئے مڑا لیکن نارجی کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑتے ہی یک بیک اس کے سارے جسم میں سناہت دوڑ گئی۔ پروفیسر تیوری زمین پر چلت پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک حد تک پھیل گئی تھیں۔ چہرے پر آخری وقت کی تباہی کیفیت نہ مٹنے والے نشانات چھوڑ گئی تھی۔ سر کے نیچے کافی مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ انور نے نارجی بچھادی اور کچھ سنبھلنے لگا۔ دور کہیں موڑ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے شوکیں کے قریب آیا اور جیب سے رومال نکال کر اسے صاف کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر اس نے چاروں طرف نارجی کی روشنی ڈالی۔ سامنے ایک دروازہ نظر آیا جس کے پٹ کھلی ہوئے تھے۔ یہ شاید پروفیسر کے سونے کا کمرہ تھا۔ پنگ کے سرہانے ایک بڑے سے فریم میں کسی عورت کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ خدوخال کے اعتبار سے یہ ایک خوبصورت عورت

کمی جا سکتی تھی۔ رنگت چاہے جیسی رہی ہو۔ اس تصویر کے علاوہ یہاں اور کوئی الگ چیز نہیں تھی جسے آرائی سمجھا جاسکا۔ سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ انور نے متین خیز انداز میں سر ہلاایا اور ثارچ کی روشنی میں کھڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس کے ہوتا یا سانہ انداز میں سکڑ گئے۔ لیکن یہاں وہ قائل کا پڑھ لگانے تو نہیں آیا تھا۔ ہو سکتا ہے سب کچھ اُسے پھسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ انور واپس جاتے کا ارادہ کر رہا تھا کہ مکان کے کسی حصے میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

”یہ تو بالکل اندر ہمراہ ہے۔“ ایک آواز سنائی دی اور انور چونک پڑا۔ یہ ملکہ سراج رسانی کے اسپکٹر آصف کی آواز تھی۔ انور نے کھڑکی پر دلوں ہاتھ بیک کر دوسری طرف چلا گک اگادی۔ چہار دیواری چھلانگ میں اسے کوئی وقت نہ ہوئی اور وہ اب اپنی پوری قوت سے اس طرف دوڑ رہا تھا جہاں اس نے اپنی موڑ سائکل چھپائی تھی۔

## جاسوس کی دھمکی

انور تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ رشیدہ نے اسے جنجنہوڑ جنجنہوڑ کر جگادیا۔ چھنج گئے تھے۔ وہ جنجنہا کر اٹھ بیٹھا۔

”کیا ہے؟“

”اسپکٹر آصف.....!“ رشیدہ نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”اوہ.....!“ انور نے لاپرواہی سے کہا اور پھر لیٹ گیا۔ ”اس سے کہہ دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔“

”مگر میرے نئے گذے تم نے وہ حرکت کی ہے کہ تمہیں انہماں ہی پڑے گا۔“

”کیا.....؟“

”پروفیسر تیموری کو کسی نے قتل کر دیا۔“

”میرے لئے یہ خبر بہت پرانی ہو چکی ہے۔“ انور نے لاپرواہی سے کہا اور مکلنے کے نیچے

ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹوٹ لئے گا۔

”لیکن کچھ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی خبر ہے۔“

”کیا.....؟“

”یہ اسی سے پوچھتا.....! اس نے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں بتایا۔“

”ہوں.....!“ انور احتساب ہوا بولا۔ ”اے سیپیں بالا لو۔“

رشیدہ چلی گئی اور انور نے سگریٹ سلاک کر سلپنگ گاؤں پہن لیا۔ اپنے آصف کرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”کل شام کو تم کہاں تھے۔“ آصف نے پوچھا۔

”جہنم میں.....!“ انور جھٹا کر بولا۔ ”تم جب بھی ملتے ہو اسی قسم کے بے سرو پا سوالات کرنے لگتے ہو۔“

”ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بے سرو پا سوالات نہیں کر رہا ہوں۔“

”بک چلو.....!“ انور آہستہ آہستہ ناک سے سگریٹ کا دھواں نکالتا ہوا بولا۔

”مجھے اس وقت افسوس معلوم ہو رہا ہے کہ تم میرے گھرے دوست ہو۔“ آصف چہرے کو مغموم بنانے کا بولا۔

”بہتر سی ہو گا کہ تم مرشیدہ خوانی شروع کر دو اور میں ماتم کروں۔ لیکن ہاتھ میرے اور سینہ تمہارا۔“

”میں مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔“ آصف سنجیدگی سے بولا۔ ”پروفیسر تیموری قتل کر دیا گیا۔“

”بڑا افسوس ہوا۔ کیا تمہارا کوئی رشتے دار تھا۔“ انور نے معصومیت سے پوچھا۔

”کل شام کو تم کہاں تھے۔“ آصف نے پھر پوچھا۔

”تارجام میں۔“

آصف اچھل پڑا اور رشیدہ اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

”کیا کرنے گے تھے۔“

”اوٹ خریدنے.....!“ انور نے سنجیدگی سے کہا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوڑا

سگر ہٹ لگنے لگا۔ پھر رشیدہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”رشو چائے یہیں منگو الہ، شاید ابھی آصف صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔“ آصف نے منہ بنا کر کہا۔ ”میری صرف اتنی خواہش ہے کہ تم اس وقت مجھ سے سنجیدگی سے گفتگو کرو۔“

”وہ تو ہوتی ہی رہے گی۔ رشو تم جاؤ۔“ انور نے کہا اور چیر پر چیر کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

”تارجام میں تمہارا کیا کام تھا۔“

”تم کسی اخبار کے روپورٹ سے یہیں پوچھ سکتے۔“

”اس گفتگو کی حیثیت سرکاری نہیں بلکہ دوستانہ ہے۔“ آصف نے زم بجھ میں کہا۔

”کچھ بھی ہو..... میں اپنے اصول پرختی سے عمل کرتا ہوں۔“

”اور اگر میں بھی اپنے اصولوں پرختی سے عمل کرنا شروع کر دوں تو۔“

”تب تم ایک اچھے لڑکے کہلاؤ گے۔“ انور نے کہا اور درویشانہ شان بے نیازی سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

”انور میں بھی کہتا ہوں کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

انور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتر کر دل کا حال جاننے کے لئے کوشش کر رہا ہو۔

”پروفیسر کب اور کن حالات میں قتل ہوا۔ کیا اس کی لاش تارjam میں کہیں پائی گئی۔“ انور نے پوچھا۔

”کیوں تم نے یہ کیوں پوچھا؟ بھلا پروفیسر تیوری کا تارjam سے کیا تعلق.....؟“ آصف نے پوچھا۔

”وہ کل مجھے تارjam میں ملا تھا۔“ انور نے کہا۔

”کیا تم اسے پہلے سے جانتے تھے۔“

”نہیں کل ہی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جان پچان پیدا کی تھی۔“

”اور اپنا نام غلط بتایا تھا۔“ آصف بے ساختہ بولا ویکن اس نے جس مقصد کے تحت ایسا

کیا تھا اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ وہ سمجھا تھا کہ انور اس کی معلومات پر اچھل پڑے گا۔ خوفزدہ نظر آئے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

انور ادھ کھلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اور کچھ.....!" وہ مسکرا کر بیوالا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے اسے غلط نام کیوں بتایا تھا۔"

"تمہارے اس سوال کا جواب بعد میں دونگا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس کی لاش کہاں پائی گئی۔"

"اس کے گھر میں۔"

"اوہ.....!" انور کے مت سے بے اختیار نکلا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ آصف جواب طلب نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم تارجم سے بیہاں کس وقت آئے تھے۔"

"سات بجے۔"

"اس کے بعد کیا کرتے رہے۔"

"رشیدہ سے لٹا رہا..... پھر تقریباً دس بجے سو گیا۔"

"اور اتنی دیر تک سوتے رہے۔"

"میں سات بجے سے پہلے کبھی بستر نہیں چھوڑتا۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس تم کے سوالات سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ تم خود کب سے تارجم نہیں گئے۔"

"چھ ماہ قبل گیا تھا۔"

"وہاں تم نے شہر سے تین میل ادھر ہی کوئی شوروم دیکھا تھا.....؟"

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" انور نے کہا۔ "جو اہرات اور دوسرے غیر معمولی پتھروں کا شوروم۔"

"کیا.....؟" تم نے کہا تھا کہ تارجم سے تین میل ادھر ہی۔ گویا کہ دیرانے میں۔ دیرانے میں جواہرات کا شوروم..... ہونہ۔"

"کیوں؟ دیرانے میں تمہیں جواہرات کا شوروم مغلخانہ خیز کیوں لگ رہا ہے۔" انور نے

کہا۔

”دیکھو فضول باتوں میں وقت مت شائع کرو۔“

”خیر اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اسی وقت تارجام روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں راستے ہی میں

”کلوں اینڈ کو“ کا سائز یورڈ نظر آجائے گا۔“

”خیر ہو گا بھی! مجھے اس سے کیا۔“ آصف اکتا کر بولا۔

”صرف اتنا بتا دوں کہ وہاں اس شوروم کا وجود حیرت انگلیز ہے یا نہیں۔“

”اگر ہے تو یقیناً حیرت انگلیز ہے.....!“

”تارجام سے واپسی پر میں وہاں گیا تھا۔ اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی سیکھتے۔“

”یقیناً.....!“

”ٹھیک..... تو جس وقت میں اندر پہنچا پروفیسر تیموری دوسرے کمرے میں کسی آدمی سے

بھکرا کر رہا تھا۔“

”دوسرے آدمی کون؟؟“

”میرا خیال ہے وہی کلوں تھا۔“

”ہوں..... آگے کہو۔“

”ظاہر ہے کہ وہاں پہنچنے پر مجھے بھی قیمتی پتھروں سے دُپن لئی پڑی اور اپنا نام بھی غلط بتانا پڑا۔ اس کی بعد پروفیسر تیموری نے اپنا نام بتایا اس سے قبل میں اسے اچھا خاصاً اکو اور خونی سمجھتا رہا تھا۔“

”کیوں.....؟“

”کیا وہ صورت سے خوفناک نہیں معلوم ہوتا.....؟“

”ہوں..... پھر.....!“

”پھر یہ کہ میں وہاں سے واپس آگیا اور یہ تجھے کر لیا کہ اس شوروم کو بے ناقب کئے بغیر نہ مانوں گا۔ وہاں یقیناً کوئی خوفناک حرکت ہو رہی تھی..... اور اس وقت تم پروفیسر تیموری کے قبل کی خبر سنارہے ہو۔ تو گویا میرا اندازہ قطعی درست تکلا۔“

آصف کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”ہاں یہ تو تھا تو تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ کل میں تارجام گیا تھا۔“

”مجھے پروفیسر تیموری نے تارجام سے فون کیا تھا کہ انور یہاں مجھ سے پر اسرار حالات میں طلا ہے۔ میں رات کو گھر نہیں واپس جاؤں گا لہذا تم میرے مکان کی حفاظت کا کوئی انتظام کر دو۔“

”تو گویا آپ مجھے چور اور ڈاکو بھی سمجھنے لگے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”شاید وہ تمہیں پہچاٹا تھا..... اور تمہارے غلط نام بتانے پر مشکوک ہو گیا۔ اس کے گھر میں بھی تو کافی جواہرات موجود ہیں۔“

”لیکن یہ بھی عجیب چیز ہے۔“ انور نے کہا۔ ”تارجام والا شوروم بھی دیرانے میں ہے اور پروفیسر تیموری بھی شاید دیرانے ہی میں رہتا ہے۔“

”میں کل شام ہی سے ایک ضروری کام میں مشغول تھا۔“ آصف اس کی بات سنی ان سی کر کے بولا۔ ”اس لئے میں نے پروفیسر کی بات پر دھیان نہ دیا اور دیے بھی مجھے یقین تھا کہ تم کوئی اسکی حرکت نہیں کر سکتے جس سے قانوناً گرفت میں آجائے کا امکان ہو۔ بہر حال میں کافی رات گئے تک مشغول رہا۔ پھر اپنکے مجھے خیال آیا کہ مجھے سونا گھاث کا ایک چکر لگایا چاہے۔ اگر پروفیسر واپس آ گیا ہو گا تو ہمارے گا۔ میری اس کی خاصی دوستی تھی۔“ آصف خاموش ہو کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ انور خاصی دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔

”میں دو تین آدمی ساتھ لے کر سونا گھاث کی طرف روانہ ہو گیا۔“ آصف نے کہنا شروع کیا۔ ”تمور منزل کا چھانک کھلا ہوا تھا اور عمارت بالکل تاریک تھی۔ مجھے کچھ شبہ ہوا اور تم اندر چلے گئے۔ صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ پھر ہم اس کمرے میں پہنچے جہاں پروفیسر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے پھر توڑنے والے ہتھوڑے سے اس پر حملہ کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ موت ہتھوڑے کی متعدد ضربات سے واقع ہوئی۔ سر کی کنی پڑیاں ٹوٹ گئی ہیں۔“

”کیا وہ گھر میں تھا رہتا تھا۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں اس کے ساتھ اس کا سکر ٹڑی حادثہ بھی رہتا تھا۔ لیکن وہ کل رات کو گھر پر نہیں تھا۔“

”کیوں.....؟“

”اس کا بیان ہے کہ وہ پروفیسر سے چھٹی لے کر گیا تھا۔“

"تو پھر میرا خیال ہے کہ پروفیسر خاصاً تم تھا۔" انور نے کہا۔ "پہلے اس نے سیکریٹری کو چھٹی دی اور پھر خود مکان اکیلا چھوڑ کر تارجام چلا گیا۔ تاکہ معمولی سا چور خفیف کی جدوجہد کے بعد اس کے سارے جواہرات مار لے جائے۔"

"سچی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم سے فون پر بات کرنے والا پروفیسر تیوری تھا۔" "میں جلدی میں تھا اس لئے اُس کی طرف دھیان نہیں دے سکا اور پھر اس وقت اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"سیکریٹری واپس کب آیا.....؟"

"آج چار بجے صبح۔"

"تم نے اُسے حرast میں نہیں لیا۔"

"میں اس پر غور کر رہا ہوں۔" "آصف نے کہا۔" لیکن تم مجھے خواہ خواہ اور ادھر کی باتوں میں الجھا کر پہلو بچانا چاہتے ہو۔"

"کیا مطلب.....؟" انور اسے گھور کر بولا۔

"تم اس حادثے کے متعلق کچھ جانتے ہو۔"

"جو کچھ جانتا تھا میں نے بتا دیا۔"

"تم آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم تارجام کیوں گئے تھے۔"

"میں.....؟" انور تھیں ہو کر بولا۔ "شاید تم گھاس کھا گئے ہو۔ بھلا میں تارجام کیوں جانے لگا۔"

"ابھی خود تم نے اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر! لیکن یہ مت بھولو کر پروفیسر نے کل مجھے تارجام سے تمہارے متعلق فون کیا تھا۔ تم اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ خیر عدالت تمہارے اس خواب کو دیکھی سے سنے گی۔ فی الحال مجھے اس سے کوئی دیکھی نہیں۔ تمہارے مجھے کے پر نندھ نٹ صاحب اس بات کی شہادت، اس

گے کہ کل میں وہ بیجے سے دس بیجے تک ان کے ساتھ رہا۔“

”کیا مطلب.....!“ آصف چوک کر بولا۔

”مطلب یہ میری جان کوہ میری بیوی کا سالا ہے۔“ انور آنکھ مار کر کہنے لگا۔

”تھی الحال تمہاری کوئی دلختی رک میرے ہاتھ میں نہیں ہے اسلئے اسے استعمال کروں گا۔“

”خیر اچھا ہوا کہ تم نے پہلے ہی بتا دیا..... اس کا بھی انتظام کر لیا جائے گا۔“ آصف اٹھتا

ہوا بولا۔

”اررر..... بیٹھو نا بھجنی۔ رشیدہ چائے لارہی ہو گی۔“

”میں چائے نہیں پیوں گا۔“ آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”تمہاری مرضی۔“ انور نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

اتھے میں رشیدہ چائے لے کر آگئی۔

”آصف صاحب چائے نہیں پیجیں گے۔“ انور شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”کیوں.....؟“

”مجھ سے کہہ رہے تھے مرغی کی بولی بولو۔ میں نے معدود ری ظاہر کی اس پر بگڑا گئے۔“

”دیکھو انور میں بتائے دیتا ہوں۔“ آصف غصے میں اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکا۔

”ابھی نہیں پھر کسی وقت بتا دینا۔“ انور نے لاپرواں سے کہا اور اٹھ کر ٹھیل خانے کی طرف

چلا گیا۔

”یہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔“ آصف نے رشیدہ سے کہا۔

”میری بلا سے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”مگر میں تو یہ دلختی آرہی ہوں کریہ ہمیشہ دوسروں

ہی کو مصیبت میں پھسادیتا ہے۔“

”کب تک..... خیر کی ماں کب تک بکرے کی..... کہنے کا مطلب یہ کہ بکرے کی ماں  
کب تک خیر منائے گی۔“

”بہر حال میں آپ کے لئے بھی چائے لائی ہوں۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”تم اسے سمجھاؤ۔“ آصف نے بیٹھنے ہوئے۔

”یہ میرے بس کاروگ نہیں..... لیکن معاملہ کیا ہے۔“

”وہ پروفیسر تیموری کے قتل کے سلسلے میں کوئی اہم بات جانتا ہے۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اس کا اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کب اوٹ پنائگ باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔“

اتنے میں انور بھی واپس آگیا۔ اُس نے آصف کی گفتگوں لی تھی لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔  
تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

”ہتھوڑے پر کسی تم کے نشانات بھی ملے یا نہیں۔“

”نہیں.....!“

”ہاں میں نے رومال سے اس کا دستہ صاف کر دیا تھا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

آصف نے چھ کر اُسے نہ ابھلا کہنا شروع کر دیا اور رشیدہ بھی اُسے گھوڑے لگی۔

”ویکھو میاں آصف میں اپنا الوسید حاکرنے کے بعد اتنا الوتھارے حوالے کر دوں گا۔

جسے اپنا بہت سا قرض ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بُنک بیلنس بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ وغیرہ

وغیرہ..... اگر تم میرے پیچھے پڑنے کے بجائے اپنا کام دیکھو تو زیادہ اچھا ہو گا۔“

## ایک مرد ایک عورت

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہارے ہاتھ میں تاش کے دو پتے ہیں۔ پہلا گلوس اور

دوسرا سیکرٹری۔ میری ساتھ مفرما نے سے بہتر تو سمجھی ہے کہ تم انہیں کریڈنے کی کوشش کرو۔“

”مشورے کا شکر یہ۔“ آصف ناخوشوار لمحہ میں بولا۔

”ایک پیز اور.....!“ انور نے آہستہ سے کہا۔ ”پروفیسر نے تم سے کہا تھا کہ وہ تاریخ میں رات گزارے گا..... پھر واپس کیوں آگیا۔“

”ممکن ہے بعد کو اسے خیال آیا ہو گر سیکریٹری بھی موجود نہیں اس لئے گھر اکیلا نہ چھوڑتا  
چاہئے۔“ آصف نے کہا۔

”تو اسکا یہ مطلب ہے کہ اس نے تاریخ مانے سے پہلے ہی سیکریٹری کو پہنچ دے دی تھی۔“

”ممکن ہے۔“

”اس لئے مجھے پھر کہنا پڑے گا کہ پروفیسر یا تو فرشتہ تھا یا بہت بڑا حق کیونکہ یورمنزل کا  
 محل وقوع ایسا ہے کہ وہاں دن دہاڑے چوری ہو سکتی ہے۔“

ابھی سلسہ گفتگو سینہ تھا کہ ایک پست قد گھر مخصوص جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس  
نے غیدہ سلک کا سوت پہن رکھا تھا۔ قمیں کا سخت کار دودھ کی طرح سفید اور بے داش تھا۔ کتنی  
رُنگ کی سپاٹ ہائی سینے پر لبراری تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کا ایک ساچھہ تھا۔

”تو میں بالکل ٹھیک وقت پر آیا۔“ وہ مسکرا کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر رشیدہ کی  
طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ ”غائب پائے دافی خالی نہ ہوگی۔“

انپرٹر آصف نے اسے گھور کر دیکھا۔ غائب اسے اس کی بے تکلفی ناگوارگز ری تھی۔

”میں آپ لوگوں کی مشغولیت میں تخلی تو نہیں ہوا۔“ وہ آصف اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

”قطعنی نہیں۔“ انور نے زہری مسکراہٹ کیا تھا کہا۔ ”آپ سے کیا پردہ مغل شہنشاہوں

کے شایدی م حالات میں خوجہ سراویں کو پوری پوری آزادی تھی۔“

آنے والا رشیدہ کی طرف دیکھ کر بے ڈھنکے پن کے ساتھ ہنسنے لگا۔ رشیدہ انھ کر دوسرے  
کمرے میں چائے کی پیالی لینے چلی گئی۔ آصف ابھی تک اسے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم  
ہوا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ آصف اس سے سچے سچے تفہیر تھا اور اس کی وجہ اس  
کے پیشے کی گندگی تھی۔ وہ روزنامہ ”پوسٹ مارٹم“ کا ایڈٹر تھا۔ اس کی آدمی کا واحد درجہ بلیک  
سیناگ تھی وہ اپنے اخبار کے ذریعے اپنے طبقے کے لوگوں کے پرائیوریت معاملات پلک کے  
سامنے لا کر یا لابنے کی وحکی دے کر خاصی رقبیں پیدا کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا طریقہ کار کچھ ایسا  
تھا کہ وہ بر اور استقانون کی زد میں نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی بڑے  
آدمی کے چیزوں پر جاتا اور انور سے بھی وہ اسی مقصد کے تحت ملتا رہتا تھا کہ شاید اس سے اسے

کوئی اسی بات معلوم ہو جائے جسے وہ اپنی آمدی کا ذریعہ بنا سکے۔ ویسے وہ انور سے ڈرتا بہت تھا۔ اس خوف کی وجہ انور کی غیر معمولی ذہانت اور فطری بے مردی تھی۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ کرسی سے نیک لگا کر بیٹھ گیا اور رشیدہ اس کیلئے چائے اٹھانے لگی۔

"کیوں قدر یہ.....؟ کوئی نئی چیز.....!" انور نے اس سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ انپکڑ صاحب تمہیں کوئی نئی خبر ہی سننے آئے ہیں۔" قدر مسکرا کر بولا۔

"اچھا بھی اب میں چلوں۔" "اصف انتہا ہوا بولا۔" "آج شاید دون بھر میں سونا گھاث پر ہی رہوں اگر فرصت ہو تو اس طرف بھی چلے آتا۔"

"کوشش کروں گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلاکا نے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ اصف تم سے مدد لینے آیا تھا۔" قدر بولا۔

"مجھے تمہارے اس جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور نے لاپرواں سے کہا اور خیالات میں ڈوبا ہوا ناک سے آہستہ آہستہ سگریٹ کا دھواں نکالنے لگا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پروفیسر یحوری کا سکریٹری کل رات کو کہاں تھا۔"

"کہاں.....؟" انور چونک کر بولا۔

"ابھی یہ نہیں بتا سکتا اگر ان لوگوں سے سودا طے نہ ہو تو میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔"

"کن لوگوں سے۔"

"ابھی کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"خیر ہو گا..... میں تمہاری تجارت میں عمل انداز نہیں ہوتا چاہتا۔" انور انتہا ہوا بولا۔ "میں اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! تم جاسکتے ہو..... میں رشیدہ صاحب سے غپ لڑاؤں گا۔" قدر نے کہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں..... مجھے بھی ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔"

"خیر خیر..... تے جانے کیوں مجھے آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔"

"ٹکری یہ شکریہ ہے.....!" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

قدر یہ اٹھ کر چلا گیا۔

”تم کچھ بڑی اجتنبی ہو۔“

”کیوں.....!“ رشیدہ حکم کر بولی۔

”تجھیں اسے روک کر اس سے سب کچھ اگلوالیا چاہئے تھا۔“

”میں نہیں پڑتی اس پکر میں۔“

”خیر ہو گا.....!“ انور نے جیب سے کاغذ کا ایک کلرا نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”اس نمبر کی کار کے مالک کا پتہ لگانا ہے۔“

”پھر تم نے وہی شروع کیا۔“

”جان من! انور بڑی طرح پھنس گیا ہے۔ کل رات کو اگر مجھ سے ذرا سی بھی غفلت ہو جاتی تو آصف مجھے لاش کے سرہانے ہی پکڑ لیتا۔“ انور نے کہا اور چھپل رات کی داستان دہراتا ہوا بولا۔ ”اب میرا بھی وہی خیال ہے جو تمہارا تھا کہ مجھے کوئی پھسانا چاہتا ہے۔“

”ابھی کیا ہے۔“ رشیدہ بزرگانہ انداز میں بولی۔ ”ابھی اور دھکے کھاؤ گے خیر اب تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ لا اُ کا کاغذ مجھے دو۔“

تحوڑی دیر کے بعد دونوں آفس چلے گئے۔ رشیدہ کو چھٹی دلا کر انور اپنے روزانہ کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ کلاک نے گیارہ بجائے اس نے کاغذات ایک طرف رکھ دیئے اور کچھ سوپنے لگا۔ آج ایک بیجے کے بعد اسے کل والی پراسرار لڑکی سے ملتا تھا لیکن اسے سو فصدی یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ دوبارہ نظر نہ آئے گی۔ آخر وہ کون تھی؟ کیا اس پتھر ہی سے پروفیسر کی موت کا اعلان تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ درمیان میں کیوں ڈالا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اور پروفیسر کے کسی پراسرار تعلق کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ لیکن یہ چیز بالکل ہی مہمل تھی۔ پھر اچاک اسے اس پتھر کا خیال آگیا۔ اس نے ٹلی فون کاریسیور اٹھا لیا اور نمبر ملانے لگا۔

”یہلو.....اوہ معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔“ انور نے ریسیور رکھ دیا اور ٹلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اسے پروفیسر تیموری کے فون نمبر کی تلاش تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

”یہلو.....کیا آپ پروفیسر تیموری کے گھر سے بول رہے ہیں۔ اچھا اچھا..... ذرا انکر۔“

آصف صاحب کوفون پر بلا دیجئے۔ ”وہ خاموش ہو کر بائیس ہاتھ سے میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو اٹھنے لپٹنے لگا۔ ”ہیلو آصف! میں بول رہا ہوں..... کوئی نئی بات.....؟ آخراں قتل کا مقصد کیا ہو سکتا ہے..... کوئی چیز غائب بھی نہیں ہوئی..... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ جواہرات بھی بدستور ہیں؟ سکریری سے تو پوچھو..... اچھا سہی اُسی کا بیان ہے..... خیر میں تم سے کسی وقت وہیں ملوں گا۔“ انور رسیور رکھ کر پھر اپنے دفتری کاغذات میں ڈوب گیا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رشیدہ واپس آئی۔

”خبر.....؟“ انور اس کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

”خبر تو ہے مگر بتاؤں گی نہیں۔“ رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”رشو.....!“ انور پیار بھرے بجھے میں بولا۔

”ہرگز نہیں..... ایک شرط ہے۔“

”کیا.....!“

”دونوں کان پکڑ کر مر نئے کی بولی بولو۔“

”قریب آؤ..... زور سے نہیں بولوں گا.....“ انور نے رشیدہ کے کان منبوطي سے پکڑ لئے اور آہستہ سے بولا۔ ”دکڑوں کوں“ اور پھر جھنکا دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ رشیدہ کھڑی بسوئی رہی اور وہ لکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب اس سے کچھ نہ پوچھتے گا..... لیکن جیسے ہی وہ جانے کے لئے مزی انور آہستہ سے بولا۔

”ادھر آؤ.....!“

رشیدہ پلٹ کر اسے گھومنے لگی۔

”اچھا آؤ اب تم میرے کان پکڑ لو..... آ جاؤ..... شاباش۔“

”نہیں آؤں گی..... نہیں آؤں گی۔“ رشیدہ جھلا کر بولی۔

”تو مجھے ہی آنا پڑے گا۔“

انور اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ رشیدہ تھوڑی دیر تک اسے گھومنی رہی پھر بولی۔

”میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔“

”بولا بھی رشو.....!“ انور پچھا نے انداز میں بولا۔ ”میں بالکل یہ نہیں سمجھا تھا کہ تم سنجدی سے میرے کان پکڑنا چاہتی ہو۔“

”بکومت.....!“

”اچھا لوچپ ہو گیا۔“

”وہ پروفیسر تیوری کی کار کا نمبر تھا۔“ رشیدہ نے کہا۔

”ذائق مت کرو۔“

”میں ذائق نہیں کر رہی ہوں۔ پروفیسر کے پاس دو کاریں تھیں ایک وہ خود اپنے استعمال میں رکھتا تھا اور دوسرا سیکر ٹیری کے پاس رہتی تھی۔ یہ سیکر ٹیری ہی والی کار کا نمبر ہے۔“

”میرے خدا.....!“ انور آہستہ سے بولا۔ ”تو کیا..... وہ پھر سیکر ٹیری ہی نے چیلے دھرے سے مدد کیوں لیتا۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ انور پھر بولا۔

”رشاں لڑکی کا پہنچانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔“

”ہو گا.....!“ رشیدہ بے تعقیٰ ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

انور نے گھری کی طرف دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

”رسو.....! تم پھر کسی وقت میرے کان پکڑ لینا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔“ انور اسے دروازے کی طرف گھینٹتا ہوا بولا۔

”کیا.....؟“

”جہاں میں چلوں۔“

اور پھر انور کی موڑ سائیکل سڑک پر فرانے بھرنے لگی۔ رشیدہ کیریز پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”تم مدینہ ہوٹل کے سامنے ہی تھہری رہتا۔ غالباً میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی۔ تمہیں اس لڑکی کا تعاقب کر کے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے۔“

”ہوں..... اور اس کیأجرت.....!“

”اجرت.....!“ انور چوک کر بولا۔ ”ایک بہت ہی لذیذ قسم کا چائنا۔“

رشیدہ نے اس کی پیٹھ پر گھونسا جز دیا اور دو ایک را گیر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔  
ہوٹل کے کچھ فاصلے پر انور نے موڑ سائیکل روک لی اور رشیدہ اتر کر دوسرے کنارے کے  
فت پاتھ پر چلی گئی۔

انور تاک بھوں سکوڑتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ معینہ کی بن میں ایک آدمی بیٹھا چاہئے پی رہا  
تھا۔ انور دروازے پر ٹھنک گیا۔

”کیا آپ مسٹر انور ہیں۔“ آدمی آہستہ سے بولا۔

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”چلے آئیے.....!“ وہ بولا۔

یہ ایک دبلا پتا اور دراز قد آدمی تھا۔ گالوں کی ٹڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے  
عماری پھیتی تھی۔ چہرے کا پھیکا پھیکا تابے جیسا رنگ بتارہ تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پینے کا  
عادی ہے۔ انور اس کے سامنے بیٹھ کر اسے گھوڑنے لگا۔

”وہ کنجیاں دے دیجئے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”کنجیاں.....!“ انور نے تجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”کسی کنجیاں ..... میرا خیال ہے  
کہ میں اس سے قبل کبھی آپ سے نہیں ملا۔“

”لڑکی..... آپ شاید نئے میں ہیں۔“

”میں قطعی ہوں میں ہوں اور کنجیاں واپس لے کر جاؤں گا۔“ اس نے انور کو گھوڑتے  
ہوئے کہا۔ ”آپ اپنی اجرت بتائیے۔“

”کیسی اجرت..... دیکھنے جتاب میں اجنپیوں سے بے تکلف ہونے کا عادی نہیں۔“

”سید ہے ہو جاؤ میاں لڑکے سید ہے۔“ وہ تن کر بولا۔ ”میں بہت بُرا آدمی ہوں۔“

”وہ تو صورت بھی سے ظاہر ہے۔“

”انور.....!“

”بُریز.....!“ انور بُریز لجھے میں بولا۔ ”انور صاحب کہو۔“

"اچھا انور صاحب سمجھیاں واپس کر دیجئے۔" وہ نرم لبھے میں بولا۔

"ناممکن! ہرگز نہیں۔" انور اٹھ کر کیمین سے نکل آیا۔

"تمہیں پچھتا پڑے گا۔" وہ بولا۔

"اس پر پھر کبھی غور کروں گا۔" انور نے کہا اور چل چلا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب کے ریسٹوران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر رشیدہ بھی اس کے پیچے ہوئی تھی۔ ریسٹوران میں بھیج کر وہ اس کی طرف مڑا۔

"رشو..... وہ نہیں آئی۔ اس کے بجائے ایک مرد آیا ہے۔ تم اس کا چیخھا کرو..... وہ ابھی اسی ہوٹ میں بیٹھا ہے۔ کیمین نمبر پانچ میں..... جاؤ جلدی کرو۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" رشیدہ بولی۔

"جاؤ میں تمہاری طرف سے بھی کھالوں گا..... مطمئن رہو۔"

رشیدہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔ انور دروازے کے قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کافی کا آرڈر دے کر اس نے سگر ہٹ سلاکایا اور سامنے رکھے ہوئے گلدان پر نظریں جوادیں۔ لیکن اس کی یہ محبت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اسے ایسا محسوس ہوا چیزے اس کے پائیں گال کے قریب سے ایک پیلے رنگ کی لمبگزدر گئی ہو اور ساتھ ایک خاص قسم کی خوبیو! وہ خوبیو! انور کا ذہن جھیختا اٹھا اور چیزے ہی وہ عورت کاؤٹر پر دنوں ہاتھ ٹیک کر پیچے کی طرف مڑی انور کے سارے جسم میں ٹھنڈی ٹھنڈی لمبیں دوڑ گئیں۔ یہ تو وہی تھی بالکل وہی جس کی تصویر اس نے چھپلی رات کو پروفیسر کی خواب گاہ میں دیکھی تھی اور وہ خوبیو۔ کیا اسی خوبیو نے چھپلی رات کو اس کا ذہن پر انگنہ نہیں کر دیا تھا۔ پروفیسر کے مکان کا سانا اور اندر ہمرا اُسکے ذہن میں آہستہ آہستہ ریلنگے لگا۔

وہ کچھ پریشانی سی نظر آرہی تھی۔ بار میں نے اس کی طرف وہ گلاس بڑھا دیا جس میں اس نے پیلے رنگ کی شراب کا ایک پک اٹھایا تھا۔ عورت نے سوڑے کی بوٹیں گلاس میں خالی کر دی اور پھر اس نری طرح گلاس پر نوٹ پڑی چیزے وہ بہت پیاسی ہو۔ گلاس ختم کرنے کے بعد وہ ایک خالی میز کی قریب بیٹھ گئی۔ بار شد ر دوسرا گلاس اور سوڑے کی بوٹیں اس کی میز پر رکھ کر چلا گیا۔

اب وہ شراب کو بے تھا شطح میں اٹھیل لینے کی بجائے ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہی تھیں۔ پھر اس نے ایک سگر ہٹ سلاکایا اور نیم و آنکھوں سے گاس کی طرف دیکھنے لگی۔

انتہے میں بیرا انور کی کافی لے کر آگیا۔ انور نے عورت کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ بیرے نے کافی کی ٹڑے اس میز پر رکھ دی۔ عورت بیرے کو گھومنے لگی۔

”میں نے کافی تو نہیں ملکواںی۔“ وہ حیرت سے بولی۔ قبل اس کے بیرا کچھ کہتا انور اس کے قریب پہنچ گیا۔

”میں اس وقت کافی ہی پیتا ہوں۔“ انور نے آہتہ سے کہا اور کری گھیت کر پینچ گیا۔

”مگر آپ.....!“ عورت کے لجھ میں احتجاج تھا۔

”ہاں.....آں.....!“ انور نے بیرے کو جانے کا اشارہ کر کے کہا۔ ”میں آپ کے لئے

انھی ضرور ہوں مگر آپ میرے لئے نہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”بات یہ ہے کہ پروفیسر تیوری.....!“

”جی.....!“ شراب کے گاس کو اس نے اتنی معمولی سے پکولیا کر اس کے ہاتھ کی رگیں

ابھرا آئیں۔

”مطلوب یہ کہ آپ پروفیسر تیوری کی دوست تھیں۔“

”جی ہاں.....جی ہاں.....!“ وہ جلدی سے بولی۔

”اے کسی نے قتل کر دیا۔“

”اوہ.....جی ہاں.....میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔“

”اس سے آپ کب ملی تھیں۔“

”لیکن آپ کون ہیں؟“

”پروفیسر تیوری کا ایک ہمدرد.....!“ انور نے کہا۔ ”میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ آخری بار اس سے کب ملی تھیں۔“

”مجھے تھیک یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے دس روز قتل..... ہو سکتا ہے پندرہ روز قبل۔“

”اور کل رات کو.....!“

عورت دھنٹا چوک پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نظر وہ سے دیکھ رہی تھی۔

”بولئے بولئے.....!“ انور سر ہلا کر بولا۔ ”میرے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے

کہ آپ کل رات کو یور منزل میں تھیں۔“

”نہیں..... نہیں..... یہ صحیح ہے۔“ وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

”یہ سو فیصدی حق ہے۔“

عورت اُسے تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظر وہ سے دیکھتی رہی پھر دھنٹا سنجل کر بولی۔

اگر آپ دوسری بار یہ جملہ دہرائیں گے تو میں پولیس گوفون کر دوں گی۔“

”ضرور کہجئے..... اس طرح پولیس کو آسانی ہو جائے گی کیونکہ وہ خود آپکی علاش میں ہے۔“

## سیکریٹری

عورت پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

”لیکن ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔“ انور سکرا کر بولا۔ ”میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کل رات کو یور منزل میں تھیں یا نہیں۔“

”قطعاً نہیں..... ہرگز نہیں۔“

”خیر آپ کی مرضی.....!“ انور لاپرواپی سے بولا۔ ”لیکن اپنا نام بتانے میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”گوریا تم تو تھی.....!“

انور نوٹ بک نکال کر لکھنے لگا۔

”کہاں رہتی ہیں۔“

”رجمن لاج..... تیسری منزل..... روم نمبر پانچ۔“

”شکر یہ۔“ انور نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

”لیکن..... لیکن؟“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”کیا..... اے“

”کچھ نہیں۔“

”آپ کی مرضی۔“ انور اپر واٹی سے بولا اور کافی کی پیالی خالی کر کے کری کی پشت سے نکل گیا۔

وہ انور کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دری بعد بولی۔

”میں اس جگہے میں نہیں پڑتا چاہتی۔ میری ہی طرح پروفیسر کے درجنوں جان پیچان والے ہوں گے۔ پولیس ان سب کو چک کرے گی؟“

”جان پیچان بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔“ انور نے کہا۔ ”ایک قسم یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ جان پیچان والوں کی تصویریں اپنی خواب گاہوں میں لگاتے ہیں۔“

”جی.....!“ عورت چونک کر بولی۔

”جی ہاں.....!“ انور معنی خیز انداز میں بولا۔ ”پولیس آپ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔“

”لیکن آپ کون ہیں۔“

”کہہ تو دیا کہ پروفیسر کا ایک دوست..... میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کچھ مجھے بتاویں تاکہ میں آپ کو پولیس کی زیادتی سے بچاسکوں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ عورت جلدی سے بولی۔ ”اور آپ مجھ پر سراسرا تہام لگا رہے ہیں کہ میں کل رات کو پروفیسر یموری کے مکان میں تھی۔“

”خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ پولیس کو آپ تک نہ پہنچنے دوں۔“

انور نے کاؤنٹر پر جا کر میں ادا کیا اور ریسٹوران سے نکل گیا۔

رشیدہ کا انتظار فضول تھا۔ معلوم نہیں وہ کب تک واپس آئے۔ انور کچھ سوچنے لگا۔

تحوڑی دری بعد اس کی موڑ سائکل سونا گھاث کی طرف جا رہی تھی اور اس کا ذہن کئی گھیاں

سلجنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور منزل میں پولیس ڈایراڑا لے ہوئی تھی۔ انکثر آصف بھی موجود تھا اور بہت زیادہ تفکر نظر آ رہا تھا۔ انور کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل گیا۔

”میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”کوئی خوبی بات۔“

”کچھ نہیں..... کوئی خوبی بات نہیں۔ میں نے گلوس کو حرast میں لے لیا ہے۔“

”کیوں.....؟“

”شب کی بنا پر..... واقعی اس کا شوروم انہائی پر اسرار معلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن صرف اسی کو حرast میں کیوں لیا ہے۔“

”میں تارجام گیا تھا۔“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”گلوس کی کل رات کی نقل و حرکت شے میں ڈالنے والی ہے۔“

”یعنی.....!“

”وہاں سے پروفیسر تیموری کی روائی کے تھوڑی دری بعد ہی وہ بھی چل پڑا۔“

”پھر.....!“

”ظاہر ہے کہ اگر اسے بھی شہر آنا تھا تو وہ پروفیسر تیموری ہی کے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ تھوڑی دری بعد چلنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر دوسرا بات یہ کہ اُس نے عام راستے کے بجائے دشوار گزار راستے اختیار کئے جن کے ذریعہ وہ پروفیسر سے کچھ دری قبل ہی شہر پہنچ گیا تھا۔“

”لیکن تمہیں یہ اطلاعات میں کہاں سے۔“ انور نے کہا۔

”اس جگہی ڈرائیور سے جو اسے شہر لے گیا تھا۔“

”ہوں.....!“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ اتر اکہاں تھا۔“

”رمضن لا ج کے قریب۔“

”رمضن لا ج.....!“ انور چونکہ کر بولا۔

”ہاں..... لیکن تم چونکے کیوں؟“

"کچھ نہیں..... یونہی..... تو پھر گلوس نے کیا بتایا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ آسانی سے یہ نہیں بتائے گا کہ وہ یوری کا قائل ہے۔"

"بھی کمال کر دیا۔ حض اتنی سی بات پر تم نے اسے قائل ہی تسلیم کر لیا۔" انور حس کر بولا۔

"نہیں اس کی وجہ ایک اور بھی ہے جس حصوٰ سے سے پروفیسر قتل کیا گیا تھا وہ عام استعمال کا حصوٰ نہیں۔ یا تو وہ پروفیسر ہی کا ہو سکتا ہے یا پھر اُسی کے کسی دوسرے ہم پیشہ کا۔"

"تمہاری مراد پھر توڑنے والے حصوٰ سے سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں..... سکریٹری نے بتایا کہ وہ پروفیسر کا نہیں تھا۔"

"تو کیا گلوس نے اسے اپنا حصوٰ اسلامی کر لیا۔"

"بھلا وہ کیوں تسلیم کرنے لگا۔"

"تو اس سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ گلوس ہی کا ہو سکتا ہے۔" انور بولا۔

"یہ تو اب دیکھا جائے گا۔"

"پروفیسر کا قتل کہاں ہوا.....؟" انور نے پوچھا۔

"پھر وہ والے کمرے میں۔" آصف نے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں بچھلی رات کو انور نے پروفیسر کی لاش دیکھی تھی۔

اس وقت اجائے میں چاروں طرف لگے ہوئے شستے کے شوکیوں میں طرح طرح کے خوش رنگ پتھر جگہا رہے تھے۔ آصف انور کو وہ جگہ دکھانے لگا جہاں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔

"تو تمہیں اچھی طرح اطمینان ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چ ائی نہیں گئی۔" انور نے پوچھا۔

"میں یہاں کی چیزوں سے واقفیت تو رکھتا نہیں۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "سکریٹری کا

بیان ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔ فی الحال مجھے اسی کے بیان پر یقین کرنا پڑے گا۔"

"ہوں.....!" انور کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظریں شوکیس پر تھیں ہوئی تھیں جس میں اس

نے بچھلی رات کو ساہ پتھر ارج رکھا تھا۔ لیکن اس وقت وہ غائب تھا۔ اسکی جگہ خالی نظر آرہی تھی۔

"سیاہ پتھر ارج.....!" انور نے شوکیس پر جھک کر بلند آواز میں کہا۔

"اوں..... کیا مطلب.....!" آصف چوک کر بولا۔

”شاید یہاں بھی کوئی پتھر تھا جس کا نام لکھا ہوا ہے۔“ انور خالی جگہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔  
 ”ہاں تھا تو..... اب وہ تجویری میں رکھ دیا گیا ہے۔“ آصف نے کہا۔  
 ”کیوں.....؟“  
 ”پتہ نہیں..... سیکریٹری نے رکھ دیا ہے۔“  
 ”تمہارے سامنے۔“  
 ”ہاں بھی ہاں۔“  
 ”تم اس کی قیمت سے واقف ہو۔“ انور نے پوچھا۔  
 ”کیوں یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔“  
 ”اس لئے کہ سیاہ پکھرا ج آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔؟“  
 ”ٹھیک ہے۔“ آصف بولا۔ ”آج سے پہلے میں نے بھی بھی نہیں دیکھا تھا۔“  
 ”سیکریٹری کہاں ہے؟“  
 ”اس کی حالت بہت ابتر ہے۔“  
 ”وہ ہے کہاں.....؟“  
 ”اپنے کمرے میں؟ بھی نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آتا ہے۔“  
 ”اور مجھے تم پر رحم آتا ہے۔“ انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“  
 ”وہ سامنے والے کمرے میں ہے تم جاؤ۔ میں مر جنم کے سامان کی فہرست مکمل کر رہا ہوں۔“  
 ”مگر یہ تمہارا کام نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔  
 ”یہ مت بھولو کر پر دیفسر میرا دوست بھی تھا۔“  
 ”اس کا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں۔“  
 ”ہے تو..... لیکن اس کے متعلق پروفیسر کے قانونی مشیر مسٹر پی۔ داس زیادہ بہتر ہے اسکیں  
 گے۔“  
 ”اوہ تم نے ابھی تک اس سے گفتگو نہیں کی۔“  
 ”میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ آج کل شہر میں موجود نہیں ہے۔“

”ہوں.....!“ انور نے کچھ سوچتے ہوئے سرہلایا۔ تھوڑی دیر تک وہ آصف کو بے خیالی میں گھوتا رہا پھر سیکریٹری کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور نے دستک دی۔ جواب ندارد..... اس نے پھر دروازہ تھپٹھایا۔ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازہ کھل گیا۔ انور کے سامنے ایک خوبصورت جوان کھڑا تھا۔ آنکھیں سرخ اور پلکیں سوچی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کافی دیر تک رو تار ہا ہو۔

”اندر چلے۔“ انور آہستہ سے بولا۔ سیکریٹری ایک طرف ہٹ گیا اور انور کمرے میں چلا گیا۔

”بینجھ جائیے۔“ انور ایک کری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

سیکریٹری بینجھ کر انور کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ پروفیسر سے چھٹی لے کر گئے تھے۔“

”می.....!“ سیکریٹری اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”مجی ہاں۔“

”میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”آپ یہاں سے کس وقت گئے تھے۔“

”دس بجے دن کو۔“

”کہاں گئے تھے؟“

”نشاط گمراپنی خالہ کے یہاں۔“

”آپ کے استعمال میں وہی کار رہتی ہے جس کا نمبر ۲۳۷۱ ہے۔“

”مجی ہاں۔“

”آپ اسی کار پر گئے تھے۔“

”مجی ہاں۔“

”اور وہ کل سے اب تک آپ ہی کے پاس رہی۔“

”مجی.....!“ وہ چوک کر بولا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ میری بات کا جواب دیجئے۔“

”نہیں کل یہ میری خالہ کے بھی استعمال میں رہی۔“

”آپ کی خالہ کی عمر کیا ہے؟“

”مئر.....!“ وہ تیز لمحے میں بولا اور پھر انور کو گھومنے لگا۔

”اس سوال کا جواب ضروری ہے؟“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”پچاس یا چھپن سال.....!“

”ہوں.....!“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ مکان کی کنجی اُس لمحے میں رکھتے ہیں

جس میں کار کی کنجی رہتی ہے۔“

”مجی ہاں.....!“

”تو کل کنجیوں کا لپھا بھی آپ کی خالہ کے پاس رہا ہو گا۔“

”مجی ہاں..... مگر کیوں..... مگر کیوں؟“

”کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں۔“ انور سگر ہٹ سلاکاتا ہوا بولا۔ ”کیا میں وہ لپھاد کیے

سکتا ہوں۔“

”مجی ہاں..... ضرور ضرور۔“ سکریٹری نے کہا اور اپنے کوٹ کی جھیں ٹوٹ لئے لگا۔

”یہ لمحے۔“

”ان میں سے مکان کی کنجیاں کون کون سی ہیں۔“ انور نے پوچھا۔

سکریٹری بتانے لگا۔

”اچھا یہ تو وہ کنجیاں ہیں جو آپ کے پاس رہتی تھیں۔ وہ کنجیاں کہاں ہیں جو پروفیسر رکھتا تھا۔“

”وہ ان کی جیب میں نہیں ملیں۔“ سکریٹری بولا۔

”آپ نے ٹلاش کی تھیں۔“

”نہیں..... قاعدے کے مطابق انہیں ان کی جیب میں ہوتا چاہئے تھا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کرنے والا اپنے ساتھ وہ کنجیاں بھی لے گیا۔“ انور بولا۔

”بھلا میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔“

”خیر چھوڑ یئے..... یہ بتائیے کہ آپ نے وہ سیاہ پھر ان جھوری میں کیوں رکھ دیا ہے۔“

”وہ جھوری ہی میں رہتا تھا۔ پرسوں چند مہانوں کو دکھانے کیلئے شوکس میں لگایا گیا تھا۔“  
 ”مہانوں کو دکھانے کے لئے؟“  
 ”بھی ہاں۔“

”ان مہانوں کے نام.....؟“  
 سکریٹری نے نام بتانے شروع کئے اور انور اپنی نوٹ بک میں لکھتا گیا۔  
 ”سر صیراحمد.....!“ انور ایک نام پر ہدایت کی۔ ”بینٹھل بک کاڈائزر بکشنا.....!“  
 ”بھی ہاں وہی۔“

”شاید وہ بھی تو پھر دوں کا شوقین ہے۔“  
 ”بھی ہاں۔“

”پروفیسر سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔“  
 ”اچھے خاصے تھے۔“

”لیکن ہم پیشہ اور ہم شوق لوگ ایک دوسرے سے حد بھی تو رکھتے ہیں۔“ انور بولا۔  
 ”بھلامیں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔“  
 ”تو وہ پکھراج پرسوں سے آج تک اُسی شوکس میں رہا۔“  
 ”بھی ہاں۔“

انور اُسے تیز نظروں سے گھور نے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمرے سے نکل آیا۔

## کچھ نئی باتیں!

چار بیجے شام کو انور تیور منزل سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کیس میں اُسے ججع  
 سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑا تھا۔ سکریٹری کا بیان الجھا ہوا تھا اور فی الحال کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی  
 تھی کہ اسے مجرم کیوں نہ سمجھا جائے۔ پھر چ ایا گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے بیان کے مطابق دوست

والي رات سے اس وقت تک اسی شوکیس میں موجود رہا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر وہ جبوری میں رکھا جاتا تھا تو پھر دعوت کے اختتام سے اب تک شوکیس ہی میں کیوں رکھا رہا۔ انور کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اس سے اور سوالات کیوں نہ کئے۔ پھر اس کا ذہن گلوریا کی طرف خلل ہو گیا۔ اُسے سو فصلی یقین تھا کہ وہ پچھلی رات کو جائے واردات پر موجود تھی لیکن اس یقین کی بنیاد کسی مختلط دلیل پر نہیں تھی جس خوبصورت تجربہ اسے پچھلی رات کو ہوا تھا اس کا استعمال گلوریا کے علاوہ کوئی دوسرا بھی کر سکتا تھا۔ اس امکان کے باوجود بھی وہ نہ جانے کیوں گلوریا کو اس کیس سے متعلق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پھر ان اسی نے چیزیاں ہو اور پھر کسی وجہ سے اُسے واپس کر دینے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ اس کام کے لئے اس نے اس لڑکی کو منتخب کیا ہو۔ لیکن نہیں..... وہ سوچنے لگا۔ اگر یہ بات تھی تو اس لڑکی کے پاس سیکرٹری کی کارکی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خود سیکرٹری بھی ملا ہوا تھا اور اگر یہ درست ہے تو پھر پھر کی واپسی کے لئے اُسے ہمارا کرنا بالکل ہی احتفاظہ فعل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام خود سیکرٹری ہی انجام دے سکتا تھا۔ پھر اچاک اس کا ذہن ایک دوسرے ہی دھارے پر بہت نکلا۔ آخر پر وہ فیصلہ کا قتل کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ سب کچھ اُسے پہنانے کے لئے کیا گیا تھا تو اس سازش کی پشت پر کون ہو سکتا ہے اور پھر سوچنے سوچنے اسے ابھمن ہونے لگی اور اس نے وقتی طور پر یہ خیال دل سے نکال پھینکا۔

رشیدہ گھر پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فلک ہیئت اتار کر دور پھینک دی۔ نشانہ تو میز ہی کا لیا تھا لیکن ہاتھ بہک جانے کی وجہ سے وہ جوتوں کی الماری میں جا گری۔ نائلی کی گردہ ڈھیل کر کے وہ ایک آرام کری میں ڈھنس گیا۔

”کیوں؟ کیا کسی نے مرمت کر دی؟“ رشیدہ نے چیختے ہوئے لجھے میں کہا۔

”نہیں میں کسی ایسے کی عاش میں ہوں جس کی مرمت کی جائے۔“

”آئینہ لا دوں۔“ رشیدہ نے بھولے پن سے کہا اور انور اسے گھومنے لگا۔

”رپورٹ.....!“ وہ تلخ لجھے میں بولا۔

”بہت اچھا حضور..... سننے..... وہ سے پول ہوٹل کے کمرہ نمبر ۳۶ میں رہتا ہے۔ رجسٹر

میں اس کا نام دیجے کمار ہے ہوٹل میں لڑکی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ چھوڑی دیریکٹ وہ اُس سے کچھ باتیں کرتا رہا لڑکی خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ ہوٹل سے چلی گئی اور میں واپس آ گئی۔“

”تم واپس آ گئیں۔“

”اور پھر کیا کرتی۔“

”اوہ..... تم اتنی الوکیوں ہو گئی ہو۔“

”نبیل تو کہاں۔“ رشیدہ حرمت سے اپنا پورا جسم ٹھوٹتی ہوئی بولی۔

”میں خداق کے موڑ میں نبیل ہوں۔“

”تو میں کیا کروں۔“

”رشو.....!“

”فرمائیے مسٹر انور۔“

”مجھے غصہ آ جائے گا۔“

”بُری بات ہے۔ بچوں کو غصے سے پرہیز کرنا چاہئے۔“ رشیدہ مرہیانہ انداز میں بولی۔

”رشو.....!“ انور جھلا کر چینا۔

”انور.....!“ رشیدہ بھی اسی انداز میں چینی۔

انور دانت پینے لگا۔ رشیدہ اس کی نقل کر رہی تھی۔

”معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آ گئی ہے۔“ انور نے کہا۔

”ہاں آئی تو تمہی مگر تم سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ظاہر کر کے اپنا پتہ چھوڑ گئی۔“

”میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”بِسْمِ اللّٰہ..... مگر میز پر نہیں۔ کمزور لکڑی کی ہے۔ میرا خیال ہے دیوار..... خیر دیوار ہی کی۔“

”بکواس بند کرو۔“ انور پھر چینا۔

”بکواس بند کر دی۔“ رشیدہ بھی اسی انداز میں چینی اور چپت کی طرف دیکھنے لگی۔

انور نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور رشیدہ بلند آواز میں گانے لگی۔

”مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار.....!“

"اے بند کرو..... بند کرو..... یہ نفرت آمیز گانا۔" انور زور سے چینا۔

"کہ میں نے تجوہ سے کیا ہے پیار.....!" رشیدہ نے پھر ہاتھ لگائی۔

"میں بچ کہتا ہوں۔"

"مان مر احسان.....!"

"چپ رہو۔"

"اے نادان کر میں.....!"

۔۔۔ "اے چپ اے چپ۔" انور کا نوں میں الگیاں مخفی کر بولا۔ "خدا غارت کرے اسے جس نے یہ گیت لکھا تھا۔ جاہل تھا وہ بالکل الول کا پیٹھا تھا۔"

"تجھ سے کیا ہے پیار.....!"

انور نے جلا کر اپنی نائی کی گردھ تجھ کرنی شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گلا مکونٹ کر رہ جائے گا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ گیت حد درج نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا۔

"چھپ..... نائی خوش رنگ بھی ہے۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔

"آخ رحمہمیں اس گیت سے اتنی چڑی کیوں ہے۔"

"دور ہٹو..... دور ہٹو.....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"اب مجھے ان کمریوں میں سلانخیں لگوانی پڑیں گی۔" رشیدہ فکر مند لبھے میں بولی۔

"معلوم نہیں کب پڑوں کے ریڈیو سیٹ پر یہی گیت آنے لگے اور تم کمری سے چلا گاںگ لگادو۔"

"تم خدا کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔" انور عاجز آ کر بولا۔

"میں خود ہی جارہی تھی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھی اور تھوڑی دور جا کر پھر ٹھی۔

"جانتے ہو وہ پراسرار لڑکی کون ہے؟"

"کیوں خواہ تو وہ مجھے تجھ کرتی ہو۔" انور کے لبھے میں بے چارگی تھی۔

"اب آئے ہو سیدھی راہ پر..... خیر سنو..... اس کا نام راجہ صیفیر ہے اور وہ سر صیر احمد کی لڑکی ہے۔"

"کیا کہا.....؟" انور اچھل کر بولا پھر اس کی نظریں رشیدہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“ رشیدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

”بہت بڑی بات۔“ انور کی نظر میں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”اگر ہیں خود بخود کھلتی جا رہی ہیں۔ خود بخود کھل رہی ہیں۔“

”تو تمہیک سے بتاؤ تا۔“

وفتنان انور نے چوک کر اپنی نظر میں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں اور پھر اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

”معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔“ انور نے کہا اور رشیدہ کو اپنی اور سکریریزی کی گفتگو کے متعلق بتانے لگا۔

”جب تو معاملہ صاف ہے۔“ رشیدہ بولی۔ ”سکریری بھی ملا ہوا ہے لیکن پروفیسر کے قتل کا مقصود بجھ میں نہیں آتا اور اب تو یہ بھی نہیں سوچا جاسکتا کہ کسی نے تمہیں پھسانے کی کوشش کی ہے۔ بھلا صیر احمد یا اس کی لڑکی سے تمہارا کیا تعلق۔“

”بھی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔“

”ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ ایک عورت تلاش کرتی ہوئی آفس پہنچی تھی۔ اپنا نام گلوریا بتایا تھا۔ شاید وہ مناسب حقِ الحکمت کے عوض تم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔“

”گلوریا؟ کیوں کیا.....!“ انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کیا تم اُسے جانتے ہو.....؟“

”ہاں..... میری فہرست میں وہ بھی شامل ہے۔“

”بہر حال وہ اپنا پتہ دے گئی ہے۔“

”ہوں.....!“ انور کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر وفتا چوک کر بولا۔ ”میں نے ابھی تک چائے نہیں پی۔“

”لیکن میں نے سنا ہے کہ تمہارے استاد انسپکٹر فریدی کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔“

”وہ عشق کی آخری منزل ہے..... میں ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکا۔“

چائے پی پکنے کے بعد وہ رجن بلڈنگ کی طرف رو انہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گلوریا اُسے

کچھ بتانا چاہتی ہے کوئی اہم بات۔

تحوزی دیر بعد وہ گلوریا کے فلٹ کی گھنٹی بجای رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور گلوریا چوک کر پیچے ہٹ گئی۔

”آپ..... آپ..... کیوں؟“

”کچھ ضروری بتائیں کرنی ہیں۔“

”مگر اس وقت یہاں گھر میں مہمان.....!“

”آپ مطمئن رہئے..... آپ کا مہمان حفظ رہے گا۔“

وہ دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گئی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کوئی خاص انتظام کر کے انور کو بلائے گی۔ انور نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے نظر پڑتے ہی وہ ٹھک گیا۔ ایک مگر آدمی صوف سے اٹھ رہا تھا۔ انور اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ سر صیر احمد تھا۔

سر صیر اپنے سر پر فیلٹ ہیت جاتا اور کچھ بڑا تباہ ہوا اس کے قریب سے گزر گیا۔  
گلوریا انور کو بُردی طرح گھور رہی تھی۔

”میں اس بد تیزی کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اور مجھے آپ کا یہ جملہ بڑا عجیب لگ رہا ہے۔“

”تم آخر ہو کون.....؟“ وہ جھنجلا کر بولی۔

”آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں جیسے میں زبردستی یہاں گھس آیا ہوں۔“ انور نے مکرا کر کہا اور اپنا ملا قاتی کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”انور سعید.....!“ وہ اچھل پڑی۔ ”مگر..... مگر.....!“

”میں آپ کی درخواست پر یہاں آیا ہوں۔“

”اوہ..... معاف کریجے گا۔ آپ نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔“

”آپ نے پوچھا ہی کب تھا.....؟“

”اچھا تو مینھے۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتی ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔

”میں آپ کی مدد چاہتی ہوں۔“

”کس محالے میں۔“

”پولیس نے گولس کو پکڑ لیا ہے۔“

”گولس..... کون گولس.....!“

”پروفیسر تھوڑی کاروست.....!“

”لیکن اس سے آپ کا کیا تعلق.....؟“

”میری اور اس کی شادی ہونے والی تھی۔“

”اور وہ کل رات کو یہاں آیا تھا۔“ انور نے پوچھا۔

”ہاں.....!“

”تو وہ پروفیسر کے ساتھ ہی کیوں نہیں چلا آیا تھا۔“

”وہ نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر کو علم ہو۔“

”کیوں.....؟“

”اب میں کیا بتاؤں۔“ وہ بے بُی سے انور کو دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دری بجد بولی۔ ”آپ نے میری تصویر پروفیسر کے کمرے میں دیکھی تھی۔“

”ہاں تو پھر.....!“

”یہ سب میں نے گولس ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو گولس کے کاروبار کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم ہوتا۔ اسے بھی پتھروں کا خبط ہے اور اس نے بھی اپنی زندگی پتھروں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ میں نے پروفیسر تھوڑی سے اسے قرض دلوایا تھا اور اسی سے وہ کاروبار کر رہا تھا۔ پروفیسر اس کا گاہک بھی تھا۔“

”کیا پروفیسر کو تم دونوں کے تعلقات کا علم تھا۔“

”ہاں.....!“

”اور یہ سر صحت احمد۔“

”یہ بھی گلوں کے گاہوں میں سے ہے۔“

”لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق۔“

گوریا خاموش ہو گئی۔ انور اسے گھور رہا تھا۔

”کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی نہیں۔“

”اچھا سیاہ پکھرائج کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔“

گوریا بے اختیار چوک پڑی۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی لیکن اس نے جلدی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

”سیاہ پکھرائج..... کیسا سیاہ پکھرائج..... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔“

”پھر میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔“

”مسٹر انور..... گلوں کو اس مصیبت سے نجات دلائیے۔ میں آپ سے انجا کرتی ہوں۔“

”تو پھر میں جو کچھ پوچھتا ہوں تم بتاتی کیوں نہیں۔“

”جو کچھ میں جانتی تھی میں نے بتا دیا۔“

”تم نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن تم ایک دن سب کچھ بتانے پر تیار ہو جاؤ گی۔“

گوریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ترنے لگے۔

”کیا تم پروفیسر والی دعوت میں شریک تھیں۔“

”نہیں..... لیکن گلوں وہاں موجود تھا۔“

”سر صغیر اور پروفیسر کے تعلقات کیسے تھے؟“

گوریا ایک بار پھر خاموش ہو گئی لیکن اسے بولنا ہی پڑا اور وہ کافی دریک باتیں کرتی رہی۔ لیکن انور کے لئے وہ سب بے سود تھیں۔ اس کی دانست میں وہ اس سے کچھ پچھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

## وہ لڑکی

سات بجتے بجتے انور پھر سونا گھاٹ پہنچ گیا۔ تیمور منزل میں ابھی دو پولیس کا نشیبل تعینات

تھے۔ آصف و فیرہ جا پکھے تھی۔ کاشیبل دوپہر کو انور اور آصف کو ایک ساتھ دیکھے تھے اس لئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انور سیدھا سکریٹری کے کمرے میں چلا گیا جو اس وقت بھی بند تھا۔ البتہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

انور نے دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ سکریٹری اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھاںک رہی تھی۔

”میں تم سے کچھ گنگلو کرنا چاہتا ہوں۔“

”تجھے فرصت نہیں۔“

”میں یہ پوچھتا چاہتا ہوں کہ تمہاری خال.....!“

”آپ جاسکتے ہیں۔“ وہ بگزار کر بولا۔ ”تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔“

انور ہنسنے لگا۔ اور سکریٹری نے دروازہ بند کر دیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کھڑکی کے قریب جا کر بولا۔ ”سکریٹری صاحب آپ خواہ خواہ ہمارا خاص ہو گئے..... تجھے رابعہ صیر نے بھیجا ہے۔“

دروازہ ایک جھلک کے ساتھ کھل گیا اور سکریٹری باہر نکل آیا۔

”کس نے بھیجا ہے تمہیں۔“ وہ آہتہ سے بولا۔

”تمہاری خالہ رابعہ صیر نے۔“ انور بخوبی سے بولا۔

سکریٹری دیوار سے بٹک کر کھڑا ہو گیا۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ بغیر سہارے کے نہیں کھڑا ہو سکتا۔

”اندر چلو.....!“ انور اس کا ہاتھ پکڑ کر آہتہ سے بولا۔

”سکریٹری باہر نکل بے بن نظر آ رہا تھا۔“

”پولیس کو ابھی اس کی اطلاع نہیں کہ تم نے پروفیسر کی اجازت کے بغیر کل رات کو گھر چھوڑا تھا۔“

”تو کیا.....!“ وہ خوفزدہ لمحے میں بولا۔ ”رابعہ نے سب کچھ بتا دیا۔“

”تم نے پولیس سے یہ بات کیوں چھپائی تھی کہ دعوت والی رات کو سایاں بھرائیں گم ہو گیا۔“

تحا اور پروفیسر کی موت کے بعد پھر مل گیا۔“

”اگر رابعہ نے تمہیں سب کچھ بتایا ہے تو اب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”رابعہ نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن اب تمہیں سب کچھ بتانا پڑے گا۔“

سکریٹری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم جھوٹ بول کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ انور پھر بولا۔

”میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔“ سکریٹری گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ پروفیسر کو کس نے قتل کیا لیکن یہ جانتا ہوں کہ پھر کس نے چڑیا تھا۔ تم کسی طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ پروفیسر کا قائل میں ہی ہوں۔ پھر کی بات اندر میرے ہی میں رہنے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ رابعہ کا نام مذکور عام پر آئے۔ اس سے بہتر میرے لئے چاندی ہوگی۔“

”کیوں؟ کیا تمہیں پہلے ہی سے یہ ساری ایکم معلوم تھی۔“

”نہیں..... بلکہ میں بعد میں ان تناخ پر پہنچا ہوں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں واپس آنے کے بعد تمہیں اس بات کا احساس ہوا کہ تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔“

”نہیں..... نہیں..... میں اس کے متعلق کچھ نہیں سوچتا چاہتا۔ کچھ نہیں سمجھتا چاہتا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں نے پروفیسر سے چھمنی نہیں لی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ رات کو واپس نہیں آسکتے۔“

”تونٹا انگر جانے سے پہلے تمہیں اس کی اطلاع کچھ نہیں تھی کہ تم نٹا انگر جاؤ گے۔“

”مسٹر انور آپ یہ سب مت پوچھئے۔ کسی طرح یہ ثابت کر کے مجھے چاندی کے تختے تک پہنچا دیجئے کہ میں ہی پروفیسر کا قائل ہوں۔“

”کیوں؟ تم زندگی سے بیزار کیوں ہو گئے ہو؟“

”میں یہ سوچنے سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں کہ جس پر مجھے اعتماد تھا اس نے مجھے فریب دیا۔“

”تمہارا اشارہ رابعہ کی طرف ہے۔“

سکریٹری نے خاموش ہو کر گردن جھکائی اور انور سونپنے لگا کہ اسے اداکاری سمجھے یا حقیقت۔ کیا وہ حقیقت راست بازی سے کام لے رہا تھا ایسا بعد کو پھنسا کر خود الگ ہو جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم نے آخر پھر کی چوری اور بازیافت کے متعلق پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔“

”مسٹر انور وہ پروفیسر کی زندگی ہی میں چڑایا گیا تھا؟ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کتنا بیش قیمت ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بتائیے کہ خود پروفیسر ہی نے اس کی اطلاع پولیس کو کیوں نہیں دی۔“

انور چوک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

”ظاہر ہے کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دینا پڑ جتے تھے۔“ سکریٹری پھر بولا۔

”لیکن وہ پھر اسے ملا کہاں سے تھا۔“ انور نے پوچھا۔

”مجھے اس کی اطلاع نہیں اور نہ میں بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ ان کے پاس کب سے تھا۔“

”دھوکت میں رابعہ بھی شریک تھی۔“

”ہاں..... وہ بھی تھی۔“ سکریٹری نے مضھل آواز میں کہا۔

”اور دوسرا صبح کو بکھر اج شوکیس میں نہیں تھا۔“ انور نے کہا۔

”ہاں.....!“

”اُسے رات ہی کو تجوہ ری ایں کیوں نہیں رکھ دیا گیا تھا؟“

”اب اس کے متعلق میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میں نے پروفیسر سے کہا بھی تھا لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں اُسے شوکیس ہی میں رہنے دیا جائے۔“

”رابعہ کس وقت تک تمہارے ساتھ نشاط اگر میں رہی۔“

”لیکن بیکے بیک ..... بلکہ وہ وہیں رہ گئی اور میں واپس چلا آیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں پروفیسر صبح ہی صبح واپس نہ آجائے۔“

”تم اسے بہت چاہتے ہو۔“

سکریٹری خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جک گئی تھیں۔

”نشاط اگر میں تم کہاں رہے۔“ انور نے پوچھا۔

”درحقیقت میری ایک خالہ نشاط اگر میں رہتی ہے لیکن میں نے وہاں رات نہیں گزاری تھی۔“

”بھر.....!“

”رابعہ سے تھر پر.....!“

”لیا نشاط اگر میں اس کا لوئی نہ ہے۔“

”جی ہاں..... اکثر وہ لوگ تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ دیے وہ عموماً

خالی ہی رہتا ہے۔“

”کیا اس سے پہلے بھی تم لوگ اس حجم کی راتیں گزار چکے ہو۔“ انور نے پوچھا۔

”بھی نہیں اور مجھے اس پر محنت ہے کہ رابعہ جسمی ڈرپوک لڑکی اس پر کیسے تیار ہو گئی تھی۔“

”تو کیا خود تم ہی نے اس سے اس کے لئے کہا تھا۔“

”قطیٰ نہیں..... یہ تجویز اسی نے پیش کی تھی کہ ہم نشاط اگر میں رات گزاریں۔ حالانکہ اس

سے قتل وہ بھی میرے ساتھ سینا ملک نہیں گئی تھی۔ ایسی باتوں پر عموماً خوف ظاہر کیا کرتی تھی۔“

”لیکن نشاط اگر کیوں اتنی آزادی سے چلی گئی۔“

”اس نے کہا تھا کہ سر صیر رات کو گھر پر نہیں رہیں گے۔“

”اوہ.....!“ انور اسے مخفی خیز نظر وہ سے دیکھنے لگا۔ ”یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اور

پروفیسر دنوں بیک وقت رات کو گھر سے باہر رہنے کا ارادہ رکھتے تھے۔“

”تو کیا..... تو کیا.....!“

”نہیں.....!“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کسی حجم کا خیال ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا

قطیٰ یہ متعذر نہیں ہے کہ سر صیر نے تمہارے ذریعہ پروفیسر کو قتل کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں واقعی

اس کا علم نہ ہو۔ میں سر صیر کی طرف سے بہت زیادہ مخلوک ہوں اور پولیس کو بھی اسی راستے پر

لگانے کی کوشش کروں گا۔“

”نہیں مشر انور..... نہیں خدا کے لئے..... اس طرح رابعہ کی بھی بدنامی ہو گی اور میں اسے کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا۔ میں پولیس کے سامنے اعتراف جنم کے لیتا ہوں اگر آپ

نے اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو میں خود کو قانون کے حوالے کر دوں گا اور میرا خون ناچ آپ کی  
گردن پر ہو گا۔“

”واہ رے میرے شیر.....!“ انور جس کر بولا۔ ”تم نے تو فراہد کی بھی قبر پر لات مار دی۔

میسوں صدی میں میں نے ایسا عشق نہیں سن۔“

”مسڑ انور آپ جا سکتے ہیں۔“ سیکر شری اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”ظاہر ہے کہ میں یہاں رات نہیں بسر کروں گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”مجھے آپ سے ہمدردی کی توقع ہے۔“

”ہمدردی کی توقع اُسی وقت رکھ سکتے ہو جب سب کچھ صحیح صحیح ہتا دو۔“

”اور کیا میں ابھی تک جنک مار رہا تھا۔“ سیکر شری نے گھوڑا کر کہا۔

”میں تو بھی بھتتا ہوں۔“

”مسڑ انور.....!“

”گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”بعض اوقات میں لگان کے مصلح غر

دلا دیتا ہوں۔“

سو ناگھاث سے واپسی پر انور کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا تھا اور اس انتشار میں  
کئی تصویریں ایک دررے سے گلزار ہی تھیں۔ رابعہ، گلوکاریا، گلوکس، سیکر شری سر صیر احمد۔ وہ الجھتا  
رہا اور پھر شہر پہنچ کر اس نے اپنی موڑ سائیکل سر صیر احمد کی کوئی کی طرف موڑ دی۔ کوئی کے قریب  
آسے سر صیر دکھائی دیا جو اپنی کار پر کہیں جا رہا تھا۔ انور نے موڑ سائیکل کی رفتار دیکھی کر دی اور  
جب اسے یقین ہو گیا کہ صیر کی کار کافی دور تکل کی ہو گی تو اس نے اپنی موڑ سائیکل کوئی کے  
چالک پر کھڑی کر دی اور خود اندر چلا گیا۔

”کس سے ملتا ہے آپ کو.....!“ ایک نوکرنے آگے بڑھ کر کہا۔ ”صاحب ابھی ابھی باہر  
گئے ہیں۔“

”مس رابعہ.....!“ انور نے اپنا ملا قاتی کارڈ نوکر کو دیتے ہوئے کہا۔

نوکر چلا گیا اور انور برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا۔

”مس صاحب کی طبیعت صحیک نہیں ہے۔“

”ان سے کہہ دو بہت ضروری کام ہے۔ انور نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔“ وہ سمجھا۔“

”مسٹر انور.....!“ دروازے سے آواز آئی۔ ”اندر آ جائے۔“

رابعہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

”سمجھاں واپس کر دیجئے۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”کیسی سمجھاں؟“

”میں آپ سے انتباہ کرتی ہوں۔“ وہ روشنی آواز میں بولی۔ ”آپ جتنا روپی طلب کریں گے میں آپ کو دے سکتی ہوں۔“

”بھلا ایک ایسے آدمی کو روپوں چیزوں سے کیا؟“ پسی ہو سکتی ہے جو پھانسی پر چڑھتے جا رہا ہو۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”پولیس کو دہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اور وہ وقت دو رہنیں جب پروفیسر کے قتل کا الزام بھی میرے ہی سر تھوپ دیا جائے گا۔“

”اوہ..... میرے خدا میں کیا کروں۔“ رابعہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بینگھ گئی۔

”پچھلے..... میری پھانسی کی خبر اخبارات میں پڑھ لیجئے گا۔“

”نہیں..... نہیں۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

”تو پھر یہ بتائیے کہ پروفیسر کا قائل کون ہے۔“

”میں..... میں کیا جاؤں..... میں۔“

”کیا سر صیغہ کو آپ کے اور پروفیسر کے سیکریٹری کی دوستی کے متعلق معلوم ہے۔“

”تھی.....!“ وہ اچھل کر بولی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ آپ سیکریٹری کے ساتھ نشاط اگر میں رات بر کریں گی۔“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سیکریٹری کو نہیں جانتی۔“

”تو پھر آپ نے اس کی کارچ اُلی ہو گئی کیونکہ آپ اُسی کی کارپر مجھ سے ملنے گئی تھیں۔“

”جی.....!“ رابعہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

”جی ہاں.....میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ وہ بے کمار کو آپ کب سے جانتی ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ بے اختیار روپڑی۔ ”خدا کے لئے سمجھاں واپس کر دیجئے اور اپنا حق الحجت بتائیے۔“

”کیا اب میں حق الحجت اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔“  
”پھر میں کیا کروں۔“

”سب کچھ حق ہجت ہتا دیجئے۔“

”میں اس شخص کا نام نہیں بتاؤں گی۔“

”کیا قائل کا.....؟“

”نہیں نہیں.....اس کا جس نے مجھے پکھراج واپس کرنے کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہ قائل نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔“

”اچھا تو پھر میں ہی قائل ہوں.....چڑھ جاؤں گا چھانی پر۔“

”نہیں.....نہیں۔“ وہ بے تابان اٹھتی ہوئی بولی۔

”آپ کی یہ پریشانی مجھے چھانی سے نہیں بچا سکتی۔“

”میں کیا کروں.....!“ وہ پھر بینہ گئی۔

”سیکریٹری ہجت اس سازش میں شریک تھا یا آپ نے اُسے دھوکا دیا تھا۔“

”نہیں.....نہیں میں کچھ نہیں جانتی۔“

”آپ بہت کچھ جانتی ہیں۔“

وہ پھر روپڑی۔

”دیکھئے یہ سب بیکار ہے۔ آپ کے آنسو بھی مجھے چھانی سے نہیں بچا سکتے۔“

”مسڑ انور.....خدا کے لئے۔“

”میں مجبور ہوں۔“

”میں جانتی ہوں کہ آپ کا بال بھی بیکانہیں ہو سکتا۔“

”یہ آپ کا خیال ہے۔“

”آپ بتائیے کہ میں آپ کو کتنا روپیہ دوں؟“

”روپیہ میں آپ سے نہیں لوں گا۔“

”پھر.....!“

”میں نہیں بتا سکتا۔ مجھے یہ سمجھا لئے۔“ انور سمجھا اس کی گود میں پھیک کر کھڑا ہو گیا اور پھر جانے کے لئے مڑا۔

”مشرانور.....!“

”فرمائیے۔“

”خدا کے لئے..... سننے تو..... ایک منٹ سمجھ رہا جائے..... صرف ایک منٹ سننے تو۔“  
وہ پکارتی ہی رہ گئی۔ انور کے قدموں کی آہنیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

”مے پول ہوٹل میں ایک مسافر دبے کمار۔“ آصف نے کہا۔ انور نے بہت خبط سے کام لیا تھا۔ اگر وہ اس وقت بہت زیادہ حفاظت نہ ہوتا تو یقیناً اچھل پڑتا۔

”اچھا.....!“ اس نے بھرا لی ہوئی آواز میں کہا۔

”وہ مدرس کا ایک مشہور بد معاشر تھا اور کمی بار کام سزا یافت بھی۔“

”مدرس کا.....!“ انور نے کہا۔ ”وہی تو نہیں جو کسی جو ہری کے بیہاں ڈاکر ڈائٹ کے سلسلے میں ماخوذ ہوا تھا۔“

”وہی.....وہی.....! لیکن میں تمہاری یادِ داشت کی داد دیتا ہوں۔“

”تو وہ کتنی حالات میں قلل ہوا.....؟“

”ہوٹل والوں کا بیان ہے کہ شام کو جب وہ نشے میں بُری طرح دھت تھا ایک آدمی اسے ہوٹل ہک پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ پھر دیروں نے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ تقریباً آٹھ بجے ایک دیڑھاں کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں گیا اور وہاں سے اٹھے پیدا پس آیا۔ اس نے وہاں اس کی لاش دیکھی تھی ایک تختہ اس کے بینے میں پوست تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اسے نشے ہی کی حالات میں قلل کیا گیا تھا۔“

”اس آدمی کا پڑ لگا جو اسے ہوٹل ہک پہنچانے آیا تھا.....؟“ انور نے پوچھا۔

”پہنچنے لگتا تو اچھا تھا.....!“ آصف بولا۔

”کیوں.....؟“

اس سے کوئی قائدہ نہیں ہوا.....!“

”یعنی.....؟“

”سر صخیر احمد نے اسے ہوٹل پہنچایا تھا۔“

”اوہ..... تو کیا وہ سر صخیر کا دوست تھا۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں..... وہ اسے ایک جگہ نشے میں پڑا ہوا ملا تھا۔“

”لیکن سر صخیر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ سے پول ہوٹل میں سمجھ رہا ہے۔“

”انہوں نے اس سے پہلے بھی اسے ہوٹل میں دیکھا تھا اس لئے وہ اسے ہوٹل لے آئے“

کر شاید اسے کوئی پہچانتا ہو۔ وہاں پہنچنے ہی معلوم ہوا کہ وہ وہیں نہ ہوا ہوا ہے۔“

”اور تم نے اس پر یقین کر لیا۔“

”کیوں یقین کیوں نہ کرتا۔“ آصف بھنا کر بولا۔

”ٹھیک ہے۔“ انور نے کہا اور موڑ سائکل اشارت کر دی۔

گھر پہنچ کر اسے رشیدہ کو سارے واقعات کی مکمل روپورث دنی پڑی۔

”اب آر ہے میں دانتوں پسینے۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ”پہلے ہی منع کیا تھا۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہمہ ہار گیا۔“

”خیلی تم خبر ہے تیس اور تیس سال تھے مار خاں۔“

”ہشت..... فضول بکواس نہیں۔ سنوکل جھیں قدیر کے دفتر میں جا کر پوسٹ میڈیم کے بچھلے دو تین سال کے شہادے دیکھنے ہیں۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ کبھی وہ پروفیسر یحوری اور سر صخر احمد کے پیچے پڑ گیا تھا ممکن ہے کہ کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔“

”فضول اور بے کار۔“ رشیدہ اکتا کر بولی۔ ”تم ہیشہ ٹکھی باتیں سوچتے ہو۔ خواہ تو وہ درود سری مول لینے سے کیا فائدہ۔“

”بہتر ہے میں یہ کام خود ہی انجام دے لوں گا۔“ انور گز کر بولا۔ ”تم سمجھتی ہو کہ تمہارے بغیر میں اپنی بیویوں کا۔“

”اچھا بیبا اچھا۔ بگزتے کی ضرورت نہیں۔ میں ضرور جنک مار دوں گی۔“

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹلی فون کی سمجھنی بھی۔

”بیلو.....!“ انور نے رسیور اٹھایا۔

”اوہ انور.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں ہوں قدیر۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں سب کچھ تادوں۔ یہ محاملہ عین ہے ممکن ہے کہی قانونی فٹجے میں پھنس جاؤں۔“

”تم مجھے کیا بتاؤ گے۔“ انور نے پوچھا۔

”یہی کہ پروفیسر کا سیکریٹری کل رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ انور مسکرا لیا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پکٹ ٹوٹ لئے لگا۔

"تم کچھ نہیں جانتے۔" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح ان کے پیچے لگ گئے تھے۔"

دوسری طرف سے پھر قہقہے سنائی دیا۔ "دیکھو انور تم میرے احسان سے کسی طرح نہیں بخے۔ اس تم کی گفتگو کرنے کے بعد اور مجھ سے معلومات حاصل کر کے تم کہہ دے گے کہ مجھے اس کا پہلے سے علم تھا۔"

"یہ بات نہیں بیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں رابعہ اور سیکریٹری کے عشق کے حلقوں ایک مشوی لگھ رہا ہوں اور اس کے جملہ حقوق تمہارے نام گھونڈ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اوہ تو جسمیں بخیج معلوم ہے۔" قدیر جسٹیسی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"اب اسے پوچھ کر کیا کرو گے؟ اسی کی روشنیاں کھاتا ہوں۔ اگر پروفیسر کا قتل تھا ہو جاتا تو البتہ ایک محتول رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ سر صخرے کبھی یہ نہ چاہتا کہ اس کی لڑکی بدنام ہو جائے۔"

"سر صخرے....." انور خڑیریہ انداز میں بولا۔ "اسے شاید یہ نہیں معلوم کہ وقت اس کے لئے

چنانی کا پہنچا اتیار کر رہا ہے۔"

"کیوں..... کیا..... وہ یعنی وہ.....؟"

"ہاں مجھے اس پر شبہ ہے اور بہت جلد پولیس بھی میرے ہی راستے پر آجائے گی۔"

"نہیں بھی..... تم آخر اس پر کیوں شبہ کر رہے ہو۔ اگر کوئی ہی ہوا تو؟"

"لیکن اسے اپنے ہی بھک محمد درکھنا کر میں اس پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"اُرے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ممکن ہے کل میں رشیدہ کو کسی کام سے تمہارے پاس بیجوں۔"

"مفرور..... ضرور..... بڑی خوشی سے۔"

"اچھا شے تھی.....!" انور نے رسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر گھٹ لگانے لگا۔

"وجہ کمار دھی تھا۔" وہ آہستہ سے بڑا لام۔

"کون.....؟"

"جس نے مدراسی جوہری کے بھائی ڈاکر ڈالا تھا اور انتہائی کوششوں کے باوجود بھی سیاہ پھر اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا۔"

"سیاہ پھر اج.....!" رشیدہ متjur ہو کر بولی۔ "آخر تھا رے سر پر سیاہ پھر اج کیوں سوار ہے۔"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوٹ اتارنے علی چار ہاتھا کر رشیدہ پھر بولی۔

"کیا کھانا کھانے کا ارادہ نہیں۔"

"نہیں.....!" انور نے کہا اور کپڑے اتارنے لگا۔ "میں نے تم سے سوبار کہہ دیا کہ کھانے کے لئے میرا انتقالتہ کیا کرو۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ جلا کر بولی اور کرے سے چلی گئی۔

دوسرا دن صبح ہی صبح پھر اپنے آصف سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ انور کا ارادہ تھا کہ وہ بے پہلے اپنے اخبار کیلئے جاسوی ناول کی قسط لکھے گا پھر کسی دوسرے کام میں ہاتھ لگائے گا۔ لیکن سور کر اٹھنے کے بعد اسے آصف کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو خلاف معمول بہت زیادہ بارونق معلوم ہو رہا تھا۔

"دیکھا تم نے.....؟" وہ چیک کر بولا۔ "اس بار تم پھر مذہبی ہو گئے۔"

"کیوں.....؟"

"تمل پکڑ لیا گیا۔"

”یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جگرو قتل ہی پر ختم ہوتا۔“ انور نے کہا اور آصف پڑنے لگا۔

”خیر..... کیا یہ ثبوت بھی ناکافی ہے کہ وہ حصوڑا جس سے پروفیسر قتل کیا گیا گولس ہی کا تھا۔“

”یہ جھمپیں کیسے معلوم ہوا۔“

”گولس کے ایک دوست ریٹارڈ حوالدار مسجد شمشیر سنگھ نے اسے شاخت کیا ہے۔“

”اوہ..... وہ پکلا حوالدار مسجد.....!“ انور قہقہہ لگا کر بولا۔ ”یقیناً اپنی عقل کے بجائے تم

خود کہیں چلنے گئے تھے۔“

”کیوں.....؟“

”بھلا اس پاگل کی شہادت کس عدالت میں پیش کرو گے۔“

آصف نے پھر ایک زور دار قہقہہ لگایا اور انور اسے گھومنے لگا۔

”خیر..... خیر..... تم بہت زیادہ عقل مند نہیں ہو۔ خود گولس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ حصوڑا اسی کا ہے۔“ آصف مسکرا کر بولا۔

”گولس نے.....!“

”ہاں ہاں گولس نے اور اس سے یہ بھی اکلوالیا جائے گا کہ وہ پروفیسر کا قاتل ہے۔“

”اچھا تو کیا اس سے انکار ہے۔“

”ہاں..... وہ اس کا اعتراف تو کرتا ہے کہ حصوڑا اسی کا ہے لیکن نہ نہیں جانتا کہ وہ پروفیسر کے گھر میں پہنچا کیسے۔“

اس بار انور نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا اور آصف کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”آصف میاں تم ابھی بوڑھے ہو۔ اگر وہ حق ہج پروفیسر کا قاتل ہوتا تو کبھی اس بات کا اعتراف نہ کرتا کہ وہ اسی کا حصوڑا ہے۔“

”مگر حوالدار مسجد.....!“

”وہ مجبود الحواس ہے۔ اس نے اس کی شہادت قانون کی نگاہ میں بے مصرف ہے۔“

”خیر میں جھمپیں دکھادوں گا۔“ آصف جھلا کر بولا۔

”مگر نعمت دکھانا کیونکہ میں تمہارا بہت پرانا دوست ہوں۔“

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بستور انور کو گھوڑے جارہا تھا۔

”خیر ہتاو.....!“ انور تھوڑی دری بعد بولا۔ ”پروفیسر کے کسی دارث کا پتہ چلا۔“

”ہاں اس کا ایک بھائی سرحدی علاقے میں سور کی تجارت کرتا ہے۔ پروفیسر کے قانونی مشیر نے اسے اطلاع دی تھی۔ اس پر اس نے اسے بذریعہ تارہ دہائیت کی کہ پروفیسر کا سارا اٹاٹا شیخ ڈالا جائے اور دوسرا دلچسپ بات یہ کہ ایک آدمی پروفیسر کی خواب گاہ کا سارا سامان خریدنے پر مجبور ہو گیا ہے۔“

”صرف خواب گاہ کا سامان۔“ انور چونک کر بولا۔ ”وہ آدمی کون ہے؟“

”اس نے مژدہ اس سے فون پر بات چیت کی تھی۔ غالباً وہ کسی بک کے ذریعہ یہ سودا طے کرے گا۔“

”اس نے اپنا نام بتایا ہی ہو گا۔“ انور نے کہا۔

”ہاں.....جے پی سکھ.....!“

”لیکن کس بک کے ذریعہ۔“

”ابھی یہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“

انور نے نوٹ بک اٹھا کر اس میں آصف کا بتایا ہوا نام لکھ لیا۔ اسکے ذہن میں تجویزی ناق ری تھی جس میں سیاہ پھر ارج رکھا جاتا تھا اور وہ تجویزی پروفیسر کی خواب گاہ میں رکھی ہوئی تھی۔ ”یہ تھاؤ کہ وہ صرف خواب گاہ ہی کا سامان کیوں خریدنا چاہتا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”میں بھی سبھی سوچ رہا تھا۔“ آصف نے کہا۔

”کیا وہ تجویزی خواب گاہ ہی میں نہیں ہے جس میں وہ سیاہ پھر ارج رکھا ہوا ہے۔“

”اگر سبھی بات ہے تو اس احمد خریدار کو بعد میں بڑی مایوسی ہو گی۔“ آصف بس کر بولا۔

”کیوں.....؟“

”سیکریٹری نے اس پھر کو بک میں رکھوا دیا ہے۔“

”اچھا! کس بک میں؟“

”بیشل بک.....!“

”اوہ.....!“ انور اچھل کر بولا۔ ”اور سر صیری اس بک کاڈاڑی کیش ہے۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتا۔“

”میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سر صیری پروفیسر کا قائل ہے۔“

”یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ آصف منہ بنا کر بولا۔

”خبر دیکھا جائے گا۔“

”آخر تم سر صیر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔“ آصف نے پچھہ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اور میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ تم کسی سیاہ پتھر کا تذکرہ بار بار کرتے رہے ہو۔“

”صرف نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وجبے کمار کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔“

”شایاش.....!“ آصف نے قہقہہ لگایا۔ ”بس بس اب صرف انفون کی ایک گولی اور پاؤ بھر دو دوہ کی اور ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد تم اپنے استاد کے بھی کان کاٹ لو گے۔“

انور نے کوئی جواب دینے کے بجائے تو لیہ کان حصے پر ڈالا اور قتل خانے کی طرف چلا گیا۔ آصف تھوڑی دیر تک بیٹھا پچھہ سوچتا رہا پھر دوہ بھی انٹھ کر چلا گیا۔

ناشتر کرتے وقت انور رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔

”آج تم آفس نہیں جاؤ گی جمیں روزنامہ ”پوست مارٹم“ کے پرانے قائل اتنے ہیں اور ہاں ایک اور تینی دریافت..... تم یہاں کے سارے بنکوں میں مکوم پھر کر یہ پہنچاؤ کر کسی نے جسے بھی نکھل کے نام سے اس دوران میں کوئی رقم تو نہیں جمع کرائی اور جمع کروائی ہے تو کس نے۔“

”قابل تو میں دیکھ لوں گی مگر یہ دوسرا کام میرے بس کا نہیں۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھر دوں گی۔“

”قدیر کو ساتھ لے لیتا۔ میں اس سے فون پر کہہ دوں گا۔“

”بھی..... یہ قدری.....!“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”بہت بور ہے..... خواہ تجوہ ابھیجا چاٹ ڈالتا ہے۔“

”بہر حال آج تو تمہیں اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔“

”لیکن یہ جے بی سکھ کون ہے اور کہاں سے پک پڑا؟“ رشیدہ نے پوچھا اور انور نے پورا واقعہ دہرا دیا۔

”جب گولوس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ تمہرے اسی کا ہے تو پھر اب خواہ تجوہ بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”یہ ایک اچھا خاصاً مدد ہے۔“ انور سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”اور اب گلوریا کو بولنا ہی پڑے گا۔ وہ کوئی اہم بات جانتی ہے جسے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گولوس پروفیسر کا قائل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی اسے اپنا تمہارے تسلیم کرتا۔“

## جنگ اور خاتمه

دوسری صبح انور کو حدود رجہ خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی بھیل تازگی دوبارہ لوٹ آئی تھی اور اس کے چہرے پر فکر کے بادل نہیں تھے۔ بھیل رات کو رشیدہ اس کا انتظار کرتے کرتے سوگنی تھی اور وہ تقریباً دو بجے رات کو پوروں کی طرح اپنے کمرے میں داخل ہو کر چپ چاپ سو گیا تھا۔ صبح چھ بجے آنکھ مکمل جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک بستر میں پڑا اگڑا نیاں لے رہا تھا۔ ذہن اور جسم دونوں بھی ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ صبح اس کے لئے حد خشکوار تھی۔

”بیٹھے آصف.....!“ وہ خود بخود بڑا دیا۔ ”اس پار تمہیں مرغا بنا کر چھوڑ دیں گا۔“

تمہری دیر بعد کسی نے دروازہ کھلکھلایا۔ انور نے بُر اسامنہ بنا کر دراٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ رشیدہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چوک کر انور کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر کچھ اور قریب آ کر اس طرح نتھنے سکوڑے جیسے کچھ سانگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

”اوہ.....!“ انور بھی اسی انداز میں بولا۔

”تم تو کبھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتے تھے۔“ رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔

”میں اب بھی کوئی خوبیوں میں استعمال کرتا۔“

”تو پھر یہ تمہارے پاس سے ایونک ان چیز کی بھنی بھنی خوبیوں کیسے آرہی ہے۔“ لکھا  
انور نے اب غور کیا کہ وہ چھپلی رات کی چلوں اور قمیں تی پہنچے ہوئے سو گیا تھا۔

”اور یہ تمہارے کام میں پر سرخ دھبہ کیما۔۔۔!“ رشیدہ اس کے کام میں پر ہاتھ رکھتی  
ہوئی بولی۔ ”اوہ.....اوہ.....یہ تو.....لپ اسٹک کا دھبہ ہے۔“

”ارے.....یہ.....ہاں ہے تو۔۔۔ لیکن یہ لپ اسٹک کے دھبہ کا میرے پاس کیا کام۔“

”اب مجھے بے یوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔“

”بھلا میں تمہیں یہ یوقوف کیوں بنانے لگا۔“

”کل رات کو تم کہاں تھے۔“ رشیدہ گرج کر بولی۔

”اخاہ.....اب تم نے بھی اپنے آسف کی طرح اس قسم کے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔“

”میں پوچھتی ہوں تم کہاں تھے؟“

”میں بتانا ہوں کہ نہیں بتاؤں گا۔“ انور جھاکر بولا۔ ”میں نے تم سے کبھی اس قسم کے

سوالات نہیں کئے۔“

”میں تمہاری طرح آوارہ تو نہیں کہ تمہیں اس کا موقع ملتا۔“

”اچھا بس بس۔۔۔!“ انور گھوڑ کر بولا۔ ”تم ہمیشہ یہ بھول جاتی ہو کہ ہم دونوں صرف

دوست ہیں۔“

”میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں۔۔۔ لیکن تم آوارگی نہیں کر سکتے۔“

”آوارگی۔۔۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔“

”تو کیا پھر یہ لپ اسٹک کا دھبہ آہماں سے اٹا ہے۔“

”چلو چلو۔۔۔ اپنا کام کرو۔“

”تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون ہے؟“ رشیدہ بھجنگلا کر بولی۔

”کون۔۔۔؟“

”میں کہتی ہوں کہ تم مجھے یہ یوقوف نہیں بتا سکتے۔“

”تجھے اس سے انکار کب ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ند جانے کیوں وہ اس وقت لڑانا نہیں چاہتا تھا۔“

”دیکھو تمہیں بتانا پڑے گا۔“

”اچھا تو سنو! کل رات میں گلوریا سے ملا تھا اور اسے سیدھی راہ پر لانے کے لئے مجھے اسے شراب بھی پٹانی پڑی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد نشے میں مجھ پر آگئی۔“

رشیدہ کچھ سوچنے لگی لیکن انور پھر بولا۔

”اب تمہارا دماغ صاف ہوا یا نہیں۔“

”گلوریا سے تمہیں کیا معلوم ہوا۔“ رشیدہ نے پوچھا۔

”میں نے اسے راز رکھنے کی قسم کھالی ہے اس لئے مجبور نہ کرو لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ یہ دونوں قتل اس پھر کے سلسلے میں نہیں ہوئے۔“

”پھر.....!“

”پہلے تم مجھے اپنے کل کے کاموں کی روپورٹ دو.....!“

”وہی کمار کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ۱۹۵۰ کے قائل میں مجھے ایک دلچسپ بات نظر آئی تھی۔“

”وہ کیا.....!“

”قدیر اس زمانے میں پروفیسر تیموری کے خلاف لکھ رہا تھا۔ تقریباً چدرہ میں شماروں میں اس نے اس کے خلاف لکھا ہے اور پھر اچانک لکھا بند کر دیا اور پھر اسی صورت میں جبکہ ایک دن قبل اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ دوسرے شمارے میں کچھ اور دلچسپ باتیں لکھنے کی کوشش کرے گا لیکن اس نے دوسرے شمارے میں پروفیسر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ تب سے اب تک اس کا ہام تک نہیں لیا اور اسی آخری شمارے میں ایک خبر بھی دیکھی جس میں یہ تھا کہ سونا گھاث پر تیموری منزل کے قریب کسی نامعلوم آدمی کی موڈ کے نیچے ایک بڑھا دب کر مر گئی۔ مجرم کی علاش جاری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔“

”بہت اچھے.....!“ انور چیخ کر بولا۔ ”بھلا دہ کس تاریخ کا شمارہ تھا۔“

”۱۲ اگر جوں ۵۰ کا۔“

”پھر بہت اچھے..... روشنم نے کمال کر دیا۔“ انور نے اسے جنجموز کر کہا اور رشیدہ حیرت سے اس کا مند سکھنے لگی، وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

”اچھا بیک کا کیا رہا۔“

”سارے بیک دیکھ ڈالے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”قدیر دن بھر میرے ساتھ مارا مارا پھرا اور اچا بیک اس کے پیٹ میں بڑا شدید درد اٹھا جس کی بناء پر میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا کہ اس تم کی طلاقی بے سود ہے۔“

”کوئی بیک چھوٹا تو نہیں۔“

”چاٹا بیک..... میرا خیال ہے کہ وہی باقی بچا تھا۔ قدیر نے کہا کہ وہاں جانا فضول ہے کیونکہ وہاں پر زیادہ تر غیر ملکی سرمایہ رہتا ہے لیکن میں اسے واپس کرنے کے بعد وہاں بھی گئی تھی اور اب تم اچھل پڑو کیونکہ وہاں بے بی عکھ کے نام پاٹھ ہزار روپے ختم کئے گئے ہیں۔“

”کس نے ختم کیا ہے۔“ انور نے بے تابی سے پوچھا۔

”مسٹر قدیر احمد ایڈیٹر روزنامہ پوٹ مارٹم.....!“

”وہ مارا.....!“ انور اچھل کر بولا۔ ” بتایا آصف کو مرغا۔“

”لیکن یہ معاملہ کیا ہے۔“

”بہت بڑا معاملہ رشو۔ یہ تو ایک دلچسپ اتفاق ہے۔ درنہ میں بدھو بن گیا تھا۔“ انور نے کہا اور فون کی طرف لپکا۔

”بیٹلو.....!“ وہ ریسیور کان کے قریب لے جا کر رشیدہ کو آنکھ مار کر بولا۔ ”بیٹلو..... کیا قدیر صاحب ہیں..... اوہ..... اچھا۔“ وہ ریسیور رکھ کر رشیدہ کی طرف مڑا۔

”میں نے قدیر کے آفس میں فون کیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تم لوگ وہیں چائے بخسیں گے۔“

”آخر بات کیا ہے؟“

”جاوہ جلدی جاؤ۔“ وہ اسے دروازے کی طرف دھکیلا ہوا بولا۔ ”بات پھر بتاؤں گا۔“

رشیدہ چلی گئی اور انور دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے میر کی دراز سے ایک پستول نکالا اور اسے چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پھر دراز میں بند کر دیا اور اب ایک چمکدار چاقو اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ رشیدہ کپڑے تبدیل کر کے آگئی تھی۔ انور نے قد آدم آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

تموڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکل پر قدری کے بیگل کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ٹیکنی فون پوسٹ کے قریب انور نے موٹر سائیکل روک دی۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”آصف کو فون کروں گا۔“

”گھر ہی سے کر لیا ہوتا۔“

”خیال نہیں آیا تھا..... یہ ضروری ہے۔“

فون کرنے کے بعد وہ پھر چل پڑے اور بقیہ راست جلد ہی ٹلے ہو گیا۔ وہ پوری گھوڑی میں تھے کہ قدری باہر نکلا۔ شاید وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا رکھا تھا۔

”ہیلو..... انور..... رشیدہ۔“ وہ انہیں دیکھ کر چکا۔ ”ادھر کیسے بھول پڑے۔ آؤ بھی آؤ۔“

”کہیں باہر جا رہے تھے۔“ انور سوٹ کیس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اس میں کچھ کاغذات ہیں۔ آؤ آؤ..... چلو اندر چلو۔“

”ہم لوگوں نے ابھی چاٹے نہیں پی۔“ میں دراصل تمہاری خبریت پوچھنے کے لئے آیا تھا۔ رشیدہ سے معلوم ہوا کہ کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ بھی کل کی تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔“

”دوستوں کے لئے میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں۔“ قدری

مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہاری طرح تو ہوں نہیں۔ نہ جانے کب سے تم سے کہہ رہا ہوں کہ ایک جاسوسی ناول میرے اخبار کے لئے بھی لکھ دیں گے تمہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔“

"مجھے شرمندگی ہے۔" اور افسوس ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں ضرور لکھوں گا۔"

وڈر انگر روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اچھا بھی تم لوگوں کے لئے چائے بناؤں۔" قدریہ اٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں تم کیوں بناؤ گے؟" اور نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں اتوار کو سب توکروں کو چھٹی دیتا ہوں اور اس دن اپنا سارا کام خودی کرتا ہوں۔"

"مہت اچھا اصول ہے۔" اور نے کہا۔

"تو ہنے دیجئے۔" رشیدہ بولی۔ "خواہ تو وہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ؟"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ صرف پانچ منٹ لگیں گے۔ میں ابھی آیا۔" قدریہ نے کہا اور کرے سے چلا گیا۔

"تو میں بھی چلتی ہوں آپ کی مدد کروں گی۔"

"تمیں بھی آپ بینھئے۔" اور آہستہ سے بولا۔

"درصافی و قلچ میں بالکل خاموشی رہی۔ رشیدہ کسی انہضن میں چلا گئی۔ وہ بھی کبھی انور کی

طرف سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھ لتی تھی۔

تحوڑی دیر بعد قدریہ کے میں چائے کا سامان لے کر آگیا۔

"چائے تو لذیز ہے۔" رشیدہ چائے کی چکلی لے کر بولی۔ "اور نہایت بے دردی ہے

چیزوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"مہت لذیز.....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اس وقت مجھے ۲۳ جون ۵۰ء کی حسین شام یاد

آری ہے۔"

قدیر نے چائے کی پیالی میز پر لکھ دی اور شرات آمیز مکراہٹ کے ساتھ انور کی طرف

دیکھنے لگا۔

"ابھی اور بھی بہت کچھ یاد آئے گا۔"

"مرسل مذکورہ.....!" اور نے کہا۔ "کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے اس رات کو بال بعد اور

سکریٹری کا تعاقب کیوں کیا تھا۔“

”تاکہ تم چیزے حرام خروں کا پیٹ بھرا جاسکے۔“ قدری گرج کر بولا۔ اچانک اس کا چہرہ بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا چیزے اس کی رگوں کا خون منجمد ہو گیا ہو۔ جسم میں عجیب قسم کی سننی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ کھڑا ہوتا چاہا لیکن تو ازان برقرار نہ رکھ سکا۔ قدری کے قہقہے کی آواز کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا۔ رشیدہ بھی صوفے پر ایک طرف لا ہک گئی تھی۔

اے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ اے کب ہوش آیا لیکن اس کا سویا سویا سازہ ہن محسوس کر رہا تھا کہ وہ سیدھا کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف تھے ہوئے ہیں۔ کالائیں میں تیز قسم کی چبیں محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندر میرے کی عادی ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک بچہ و تاریک کوٹھری میں کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ لو ہے کی دو موٹی سلاخوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر رشیدہ اسی حالت میں کھڑی تھی لیکن ابھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ اس نے وہ ان سلاخوں کے درمیان جھوولی گئی تھی۔ انور نے سلاخوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو فٹ رہا ہو گا اور ان کی اوپرچالی آتی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ تھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے رشیدہ کی چیخ سنائی دی۔ وہ ہوش میں آگئی تھی اور انور کو گھور رہی تھی۔ دھننا کوٹھری کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور قدری ان کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

”کیوں بیٹھے انور صاحب بڑے ٹکلنے بنتے تھے۔“ قدری گرج کر بولا۔ ”وہ پرچ کہاں ہے۔“

”کون سا پرچ.....!“ انور غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”میں اس قسم کا نہ اق پسند نہیں کرتا۔“

”اچھا.....اب مجھے سبق پڑھانے چلے ہو۔ میں تم دونوں کی قبر کھود کر بیٹھیں وہن کر دوں گا اور کسی کو کافوں کا نہ خبر بھی نہ ہوگی۔“

”معلوم نہیں تم کیا بک رہے ہو۔“ انور گرج کر بولا۔

”یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی اسے پولیس کے حوالے نہ کیا ہو گا۔“ قدری اس کی بات سنی ان سی کر کے بولا۔ ”کیونکہ تم پولیس کو اچانک متحر کر دینے کے عادی ہو گئے ہو۔ دیکھو میں

تمہیں سمجھاتا ہوں کہ پرچے میرے حوالے کر دو اور اس واقعے کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا..... مجھے بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں رکھا ہے میں خود تلاش کرلوں گا۔ ورنہ دوسرا سی صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ ایک قتل کو چھپانے کے لئے اکٹھنی قتل کرنے پڑتے ہیں۔ وجہ کمار کا قتل شاید تمہیں یاد ہو۔“

”مجھے سب کچھ یاد ہے۔“ انور بیز اری سے بولا۔ ”لیکن یہ پرچہ درچہ کیا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”بیٹھے انور تم مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ کل رات کو جب تم پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی لے رہے تھے میں بھی اس کے مکان میں مجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس نے بعد کو تمہارا تعاقب کیا تھا وہ میں ہی تھا۔ تم شاید مجھے پولیس کا سپاہی سمجھتے تھے اور اس کے علاوہ سمجھتے بھی تو کیا۔ میں باقاعدہ پولیس کی وردی میں تھا۔ شاباش ہتا و جلدی سے کہ دہ پرچہ کہاں ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔“

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”اس پرچے کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔“

”مظہر غیر مشرب بدالی نہیں ہوتی فرزند۔“ قدری مسکرا کر بولا۔ ”تم مجھ سے دس پیسے بھی وصول نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں زندگی عزیز ہوگی تو آپ بتاؤ گے۔“

”لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کر میں اپنے آصف کو فون کر کے یہاں آیا ہوں۔“ انور بولا۔

”اس کی فکر مت کرو۔ میں اسے بچوں کی طرح بہلا سکتا ہوں۔“ قدری نے کہا۔

”فی الحال میں جا رہا ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور تم رشیدہ اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ مفت میں اپنی اور تمہاری جان گنوائے گا۔“

قدیر چلا گیا۔

”آخر یہ سب کیا ہے۔“ رشیدہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

”یہ ایک وقتی تفریغ ہے۔“ انور بس کر بولا۔ ”مجھے قتل کرنے کے لئے قیامت کے قریب دجال کا ظہور ہو گا۔ اس سے پہلے تو مرنا نہیں۔“

”لیکن وہ پرچ کیا ہے جس کا تذکرہ تم نے مجھ سے بھی نہیں کیا۔“

”قدیر نے اُسی پرچے کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔“

”اور وہ سیاہ پتھر.....!“

”وہ ایک الگ داستان ہے۔ اس کا تعلق پروفیسر کے قتل سے نہیں۔ میں ابھی تک اسے کسی جاسوسی ناول کا خونی ہیرا بختار رہتا تھا لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔“

”لیکن اس مصیبت سے کس طرح چمکارا ہو گا۔“ رشیدہ کراہ کر بولی۔

”چمکارا.....!“ انور نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ فی الحال خود اسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چمکارے کی کیا صورت ہو گی۔

”تم نے کس مصیبت میں پسادیا۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتاویے تو میں تمھیں یہاں اس طرح ہرگز نہ آتے دیتی۔“

”اور اگر آدم شجر منوع کے قریب نہ جاتے تو اس خرابے میں کیوں چھپتے۔ میں تمھیں مرد نہیں ہا۔ سکتا تم ہمیشہ عورت ہی رہو گی۔“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”بس غلطی ہو گئی! مجھے کیا معلوم تھا کہ کل اسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔“

”لیکن یہ سب ہے کیا۔“

”بہت بڑا واقع..... انتہائی جیچیدہ۔ اگر قدیر سے بے بی عکھدے والی حماقت نہ ہو جاتی تو دنیا کا کوئی سراغ رسال مجرم کا پہنچنے لگا سکتا۔“

”تو کیا اس نے یہ سب تمھیں پھسانے کے لئے کیا تھا۔“

”نہیں قلعی نہیں! کہہ دیا کہ پتھر والا واقع اس قتل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ تمھیں یاد ہو گا کہ قدیر اس دن صحیح غیر متوقع طور پر ہمارے یہاں پہنچا تھا اسے کسی طرح علم ہو گیا ہو گا کہ اس سلسلے میں آسف کو مجھ پر بھی شبہ ہے اسی لئے وہ سیکریٹری اور رابعہ کی کہانی لے کر پہنچا تھا۔ لیکن اس نے صاف صاف نہیں بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح یہ ضرور معلوم کروں گا کہ سیکریٹری اس رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا اپنے اس نے پتھر مجھے یہ کہہ کر مطلع کر دیا کہ وہ اس محاطے میں پیسے نہیں ہوتا چاہتا۔ وہ ان دونوں کو نٹاٹا ہگر جاتے دیکھ کر ان کے پیچے الگ گیا تھا اور شاید ان

کی گنگو بھی من لی تھی کہ وہ رات وہیں گذاریں گے۔ اس نے سوچا کہ پروفیسر اس وقت تباہی ہوگا۔ اس لئے وہ خلاف تو قریب رات ہی کوتار جام سے واپس آگیا تھا۔

”لیکن آخر اس نے پروفیسر کو قتل کیوں کیا۔“ رشیدہ بولی۔

”وہی بلیک میلگ کا چکر تھا۔ تم نے اس اخبار کے قائل تو دیکھے ہی ہیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ پروفیسر کے خلاف لکھ کر اس سے روپیہ ایشنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید پروفیسر نے اس کی پروواہ نہیں کی۔ تمہرہ جون ۵۰ء کے شمارے میں قدر ہے اسے اس کا کوئی راز افشاء کر دینے کی حکمی دی تھی۔ شاید اس پر پروفیسر نے اسے معاملات طے کرنے کے لئے سوچا گھٹ بایا تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک بڑھا اس کی کار کے نیچے آ کر ہلاک ہو گئی۔ پروفیسر نے دیکھ لیا اور اسے حکمی دی کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع دے دے گا۔ قدر گیا تھا اس سے روپیہ ایشنا اور خود صیبیت میں پھنس گیا؟ آخر کار ان دلوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ پروفیسر نے اس سے بڑھا کو کار کے نیچے پکل دینے کا اقرار نامہ لکھوا لیا اور اسے حکمی دی کہ اگر وہ بھی اسے یا اس کے کسی دوست کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس اقرار نامے کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اس نے اقرار نامہ نہایت احتیاط سے اپنی خواب گاہ کی ایک کری کے گدے میں ہی رکھا تھا۔ قدر ہے اسی اقرار نامے کے لئے اسے قتل کیا تھا۔ وہ سکا ہے بعد کو پروفیسر نے بھی اس سے روپیہ ایشنا کی کوشش کی ہو۔ بہر حال وہ قتل کی رات کو اقرار نامہ نہ پاس کا لیکن شاید یہ جانتا تھا کہ وہ خواب گاہ ہی میں کہیں محفوظ ہے۔ لہذا اس نے جی بی ٹک کے فرضی نام سے خواب گاہ کا سامان خریدنے کی پیش کش کی اور پھر جب تم اس کے پاس اس لئے پہنچیں کہ وہ تمہیں جی بی ٹک کا پہنچانے میں مدد دے تو وہ بہتر کیا اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ تم اس کے اخبار کے قائل خواہ نہیں البتہ پڑھ رہی ہو۔ ہاں تو میں نے تمہیں کریا تھا کہ رات کو پروفیسر کی خواب گاہ کی خلاصی ضرور لوں گا اور قدر بھی اسی تاک میں تھا۔ وہ ایک پولیس میں کی وردی پہنچنے ہوئے تھا جب میں وہ اقرار نامہ نکال کر وہاں سے نکلا تو اس نے میرا تعاقب کیا مگر میں اسے پہچان نہیں پایا تھا وہ اس وقت بمحض سے یہ حماقت نہ ہوتی۔“

”اور وہ پتھر والا معاملہ.....!“

”مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ میں نے گلوریا سے وعدہ کر لیا ہے۔“

”گلوریا سے؟“

”ہاں..... اسے بھول جاؤ۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم لوگ تجھے جائیں گے۔“

”کیوں نہیں..... جب تک کہ میری شرگ نہ کٹ جائے میں بھی سوچتا رہوں گا کہ میں مرن گیں سکتا۔ میں نے آصف کو فون کر دیا تھا کہ میں قدیر کے بیہاں جادہ ہوں۔ قائل وعی ہے اسے ثابت کر دوں گا۔“

”ممکن ہے وہ آکر لوت بھی گیا ہو۔ قدیر نے اسے پہنچ پڑھا دی ہو خود اس کے پاس تو اس کا کوئی ثبوت ہے نہیں۔ تمہارے بیان کے مطابق اقرار نامہ تمہارے عی پاس ہے۔“

”پھر بھی میں ہمت نہیں ہار سکتا۔“ انور نے کہا اور اپنے جوتے اتنا نے لگا پھر اس نے ایک جیر کا موزہ دوسرے جیر سے دبا کر اتنا دیا۔ باسیں جیر سے داکیں جیر کی سوری اور پر سر کائی اور موزے میں اڑا ہوا ایک بڑا سا پچکدار چاقو ٹھال کر فرش پر ڈال دیا۔ رشیدہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ انور نے داہنے جیر کا موزہ بھی اتنا دیا۔

”لیکن اسے استعمال کس طرح کرو گے..... دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں۔“ رشیدہ پر امید لجھے میں بولی۔

”ڈاروں کی تھیوری کے مطابق آدمی پہلے بند رہتا۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”اور تم جانتی ہی ہو۔ بند رہنے والے بھی ہاتھوں کا کام لے سکتے ہیں۔ وہیا کے سب بند رہا دی ہو گئے مگر میں ابھی تک بند رہوں اور اس وقت تمہیں اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میں کسی حال میں بھی نہ ٹھاکھا بھوکا نہیں رہ سکتا۔ کئی سرکس والے اب تک یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے سرکس میں نوکری کر لوں۔“

انور نے چاقو کا دستہ داہنے جیر کے انگوٹھے اور انگلیوں سے دبایا اور لوہے کی چھڑوں کو مضبوطی سے پکڑ کر بند روں کی طرح اٹ گیا۔ وہ داہنے ہاتھ کی رہی کائنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کلامی پر رہی کا تاؤ بڑھ جانے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک اس حالت میں ترہہ سکا۔ لیکن اسے

یقین تھا کہ وہ رہی کاشنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ پھر سیدھا ہو گیا۔ سارے جسم سے پسینے کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں اور وہ نبڑی طرح ہاتھ رہا تھا۔ اس نے مکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ بے اختیار روپڑی۔ وہ انور کی کلائی پر بیٹھے ہوئے خون کو دیکھ رہی تھی۔ شاید چاقو تو لگ گیا۔

”رشوڈار لنگ رو تے نہیں۔“ انور نے کہا اور پھر چاقو کو الگیوں میں دبا کر الٹ گیا۔ اس کی چھتی ہوئی سانوں کے ساتھ رشیدہ کی سکیاں بھی لکھری میں گونج رہی تھیں۔

تحمودی دیر کے بعد اس کا ایک ہاتھ آزاد ہو گیا اور رشیدہ رو تے رو تے بے اختیار خس پڑی۔ انور نے دراہاتھ بھی کھول ڈالا اور پھر رشیدہ بھی آزاد ہو گئی۔ وہ اس کے بازوؤں میں پڑی سکیاں لے رہی تھی۔

”رشوڈار لنگ، چپ رہو۔“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

”میرا بندر..... میرا بندر.....!“ اس نے دلی دلی سکیوں کے درمیان کہا۔

”آؤ اب کلل چلیں..... مجھے میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں۔ یہ دیکھو۔“ اس نے اپنا دہنا ہاتھ سامنے کر دیا جس سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے گئے وہ پاہر سے بند تھا۔

”یہ تو بہت بُدا ہوا۔“ رشیدہ بولی۔

”فلکت کرو..... کبھی تو کملے گا۔“ انور نے کہا اور دیوار سے نیک لگا کر دروازے کے قریب نی پہنچ گیا۔ رشیدہ اپنی ساری پھاڑ کر اس کے زخمی ہاتھ پر پٹا بادھنے لگی۔

انور بڑی غصہت محسوس کر رہا تھا ایک تو ابھی تک اس نشہ آور چائے کا اثر باقی تھا دوسرے ہاتھ سے کافی خون کلل گیا تھا اور پھر اس جتنا لنگ کی حکم۔ دونوں گھٹنوں اسی طرح بیٹھے رہے۔ تقریباً تین بجے لکھری کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انور نے رشیدہ کو دروازے کے درمیان طرف کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔

کنڈی اتارنے کی آواز آئی۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ انور اور رشیدہ پٹوں کی آڑ میں تھے جیسے عی قدر اندر داخل ہوا انور اس پر فٹ پڑا۔ رشیدہ الگ کھڑی تھی۔ انور نے اسے پہلے ہی

حکلے میں گرا لیا تھا۔ مگر قدر بھی کمزور نہیں تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت صرف کر رہا تھا۔ دنوں کئے ہوئے زمین پر ٹوٹ رہے تھے۔ رشیدہ کی کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فتحا قادر انور کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ اس کا گما گھونٹ رہا تھا۔ رشیدہ مگر اگئی۔ فتحا اسے وہ چاقو یاد آگیا جو انور وہیں کئی ہوئی رسیوں میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر دیوارتہ وار قدر پر ٹوٹ پڑی۔ وار گھبرا نہیں تھا پھر بھی قدر یا چیل کر پیچے کی طرف آگرا۔ قبیل اس کے کردہ سنجلا انور اس پر تھا۔

تمہوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ اسے رسیوں میں جکڑ رہے تھے۔

دوسری صبح کے اخبارات اس حیرت انگیز گرفتاری پر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ لیکن صحیح واقعہ صرف انور کے اخبار نے چھاپا تھا اور اس کی کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی تھیں۔

وہ دن اسکندر آصف کے لئے یقیناً بڑا منہوش تھا۔ انور نے جی کھول کر اس کا محکمہ اڑایا لیکن وہ سب کچھ خاموشی سے سہارا ہا۔ اور کرتا بھی کیا۔ تیری طرح نکلت کھا گیا تھا۔

رشیدہ نے انور کو کئی بار مجبور کیا کہ وہ اسے سیاہ پھر اج کا راز ہادے سکرنا کام رہی۔

اسی شام کو انور سر صیر کی کوشی کے پائیں باخ میں بیٹھا سر صیر کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنا لالا قاتی کا رو اندر بھجوا کر دہلان پر بیٹھ گیا تھا۔ تو کرنے آئے انور سے اندر پڑنے کو کہا۔

"میں سینیں کھلے میں بیٹھنا پسند کروں گا۔" انور نے کہا اور دہلان چیز پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

تو کرنے چلا گیا اور تمہوڑی دیر بعد سر صیر پورنیکو میں دکھائی دیا۔ وہ آہستہ آہستہ دہلان کی طرف آرہا تھا۔ چہرے سے حکن ظاہر ہو رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اس نے ہنڑوں پر ایک مشکل سی مسکراہٹ چھیل گئی۔

"سر صیر انور میں اپنے دوست کے قائل کی گرفتاری پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور ایک کری پر بیٹھ گیا۔

"مشکر یہ.....!" انور سمجھ دی سے بولا۔ "تو را اس پر دھنخط کر دیجئے۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چیک بک نکال کر سر صیر کی طرف پر حادی۔

"پانچ ہزار روپے۔" سر صیر اسے مکور کر بولا۔ "کیوں اس کا کیا مطلب۔"

”یہ اس سیاہ پکھراج سے تعلق رکھتا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سر صیر نے آہتہ سے کہا۔ پھر دھنٹا اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ نتنے پھر کرنے لگے اور وہ گرج کر بولا۔ ”تم مجھے بلیک مل کرنے آئے ہو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔“

”گھوٹنے کی ضرورت نہیں۔“ انور مکرا کر بولا۔ ”آپ جانتے تھے کہ وہ سیاہ پکھراج چوری کا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اسے وہیے کمار سے خرید لیا تھا۔“

”جی..... جی.....!“ سر صیر ہکلا کیا۔ ”جی ہاں..... اور سبی نہیں..... آپ نے اسی خوف سے اسے ایک ایسی عورت کو دے دیا تھا جس سے آپ کے ناجائز تعلقات ہیں۔“

”تم فضول بکواس کر رہے ہو۔“ سر صیر پھر گرفتار ہوا۔

”میرا اشارہ گھوڑیا تم تو جی کی طرف ہے۔“ انور نے مکرا کر کہا۔ ”لیکن آپ نے وہ پھر اس کے پاس امتحان کھوایا تھا۔“

سر صیر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے تھوک نگل رہا تھا۔

”کہیے تو یہ بھی ہتا دوں کروہ پروفیسر تیموری کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔“

انور نے کہا اور سر صیر کی طرف شرات آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔“

”مگر ایسے نہیں..... میں جو کچھ بھی بک رہا ہوں وہ میرے اخبار میں نہ چھپے گا اس دوران میں پروفیسر تیموری نے گلوس کو قرض ادا کر دینے کا نوٹس دے دیا اور شاید آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ وہ نوٹس بعد کو واپس بھی لے لیا گیا تھا؟ ہوا یہ کہ گھوڑیا نے آپ کا سیاہ پتھر گلوس کو دے دیا کر دو، اسے بطور عذالت پروفیسر تیموری کے پاس رکھوادے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پروفیسر نے نوٹس لے لیا۔ لیکن چونکہ ایک بہت ہی ہنایاب پتھر پروفیسر کے ہاتھ لگا تھا اس لئے اس نے ضرورتی سمجھا کہ وہ اس کی نمائش کر کے اپنے ہم پیشہ اور ہم شوق لوگوں پر رعب ڈالے۔ اس سلسلے

میں اس نے چند لوگوں کو دعوت دی اس میں آپ اور آپ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ کھانے کے بعد اس نے پھر دل کی نمائش کی سیاہ کھراج اس کے پاس دیکھ کر آپ کو بہت تاؤ آیا۔ وہ بھی پر آپ نے گوریا سے باز پرس کی۔ بہر حال آپ اسے دوبارہ واپس لیما چاہئے تھے اس لئے آپ نے پھر دبجے کمار کی خدمات حاصل کیں اور وہ اسے پروفیسر کے یہاں سے چالایا۔ دوسرے ہی دن صبح وہ پھر آپ کے پاس سے عائب ہو گیا۔ اس بارا سے آپ کی صاحبزادی نے اڑایا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دراصل آپ ہی کی ملکیت تھا۔ وہ اسے پروفیسر کے یہاں دیکھے ہی تھی۔ اس لئے سمجھیں کہ شاید آپ اسے چالائے ہیں۔ لہذا انہوں نے اسے آپ سے چھپا کر واپس کرنے کی میمان لی اور اس سلسلے میں انہوں نے خاکسار کی خدمات حاصل کیں۔ میں نے جن حالات میں وہ پھر اس کی جگہ پر پنچھیا دہ بہت ہی خطرناک تھے۔"

"میں جانتا ہوں..... میں جانتا ہوں۔" سرخیر بے سبری سے بولا۔

"اور میں مسلسل پانچ ہزار روپے بطور حق الحکمت طلب کر رہا ہوں اور ہاں شاید آپ یہ بھی سنا پسند کریں گے کہ پروفیسر ٹولس کے ہتھوڑے سے کس طرح قفل ہوا.....؟ خیر سنئے..... آپ سمجھے تھے کہ شاید پروفیسر ہی نے اسے دوبارہ آپ کے پاس سے عائب کر دیا۔ لہذا آپ پھر گوریا کے پاس پہنچے اور اسے خوب کمری کمری سنائیں۔ اسی رات کو گوریا نے سوچا کہ وہ کیوں نہ اس پھر کو پروفیسر کے یہاں سے چاکرا پنے ہاتھوں سے آپ کو واپس کر دے۔ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر اسے جبوری میں رکھتا تھا۔ لہذا وہ ٹولس کا ہتھوڑا لے کر وہاں پہنچی۔ اسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ پروفیسر رات کو باہر ہی رہے گا۔ اس نے پروفیسر کی خواب گاہ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اندر داخل ہو گئی۔ لیکن وہ اچھی طرح سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اسے مکان کے اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی جاؤ گی۔ اور وہ گھبراہٹ میں ہتھوڑا وہیں چھوڑ کر کھڑکی سے کوڈ گئی۔ آنے والا پروفیسر کا قائل تھا۔ اسے وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہو گیا تھا کہ پروفیسر گھر پر موجود نہیں ہے اس لئے اس نے نہایت اطمینان سے اپنی سنجیوں کا لچھا استعمال کیا اور مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ موقع تینیت تھا اس لئے اس نے اتر ارٹا سے کی ٹلاش شروع کر دی۔ لیکن اس کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی پروفیسر آگیا اور قائل نے اسی ہتھوڑے سے اس پر چل دکر دیا اور اسے ختم کرنے کے بعد بھاگ ہی رہا تھا کہ

وچے کمار بھینچ گیا اور پھر شاید اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ بھی اُس کے ہاتھ سے مارا گیا اور ہاں اس رات کو بھی آپ ہی نے وچے کمار کو دہاں بیجھا تھا کہ وہ اس پتھر کو دوبارہ چڑھا لائے۔ ہاں تو جتاب جب میں دہاں پہنچا تو پروفیسر کی لاش سے ٹبھیز ہو گئی آپ خود سوچنے کے وہ چیز کتنی خلرناک تھی اور پھر جبکہ پروفیسر تارجام ہی سے انپکڑ آمف کوفون کر چکا تھا کہ اس کے مکان کی حفاظت کی جائے۔ اگر میں ذرا سا بھی چوک جاتا تو دہاں پکڑا گیا تھا۔“ اور خاموش ہو گیا۔

”میں آپ سے استدعا کرنا ہوں کہ ان معلومات کو اپنے ہی نک مدد و در کئے گا۔“ سر صیر نے کہا۔ ”رابعہ نے مجھے پہلے ہی اس کے متعلق بتادیا تھا اور میں بہت پریشان تھا۔“ سر صیر نے چیک پر دستخط کر دیئے۔

”ٹھکریہ۔“ انور نے چیک بک تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں رہنے میں بلیک ملک نہیں ہوں..... اچھا..... آداب عرض.....!“

چانک سے نکل کر وہ موڑ سائکل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ رابعہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

”تو تم نے سب کچھ بتادیا۔“ وہ خوفزدہ لمحے میں بولی۔

”بھت انتم نے بتایا تھا اس سے آگے گئیں بڑھا۔“

”یعنی کر.....!“

”ہی ہاں۔ میں نے ان سے یہ نہیں بتایا کہ تم نے وہ رات نٹا اگر میں سکریٹری کے ساتھ بہر کی تھی۔“

”ٹھکریہ..... بہت بہت ٹھکریہ۔“

”ٹھکریہ.....!“ انور نے ہاتھ بڑایا اور موڑ سائکل اسٹارٹ کر دی۔

# ختم شد